Rs. 20/-

جشن امام غزالی کے موقع پر نئی پیش رفت

ماہنامہ

خضرِ راہ دہلی

March 2012

گھر کے ہر فرد کی فکری اور روحانی تسکین کا سامان

ماہنامہ خضر راہ

آسان زبان میں اسلامی افکار وخیالات کا انمول خزانہ

ماہنامہ خضر راہ

سفر وحضر کا بہترین ساتھی

ماہنامہ خضر راہ

سوسائٹی کو خوبصورت بنانے کے لیے پڑھیں اور پڑھوائیں

ماہنامہ خضر راہ

ہر طالب صادق کے لیے بے شک وشبہ

تا جلوہ گہ ناز میں اک سیدھی سڑک ہوں

ناشر شاہ صفی اکیڈمی / جامعہ عارفیہ سید سراواں، کوشامبی، الہ آباد (یوپی)

خضرِ راہ

علم و عرفان

حمد و مدح: شاہ احسان اللہ محمدی، امام احمد رضا
ضیائے حدیث: مولانا مقصود احمد سعیدی
عرفانی مجلس: شیخ ابوسعید شاہ احسان اللہ محمدی
شرعی مسائل: مولانا یعقوب صاحب
اداریہ: شوکت علی سعیدی
شہ پارۂ اسلاف: ادارہ
دعوت قرآن: مولانا اشتیاق عالم مصباحی
اسرار التوحید: شیخ محمد بن المنور

مضامین

خواجہ معین الدین۔۔۔: جہاں گیر حسن مصباحی
حجۃ الوداع: ابرار رضا مصباحی
صراط مستقیم: اشتیاق عالم مصباحی
انسانیت کی فلاح: عزیز اللہ بقائی
نیت سے ثواب۔۔۔: محمد تقی عثمانی
بیعت کیا ہے؟: محمد مقصود عالم
دعوت اور عام زندگی: جہاں گیر حسن مصباحی
تعلیم کا اصل مقصد: فخر عالم
نفس کی پاکیزگی: رفعت رضا نوری
امام غزالی۔۔۔: شاہد رضا ازہری

گوشۂ خواتین

فاطمہ کی تسبیح: نوشین حسن
بچوں کی تربیت: شاکر عالم
تصویر کائنات: ابوزوبیہ
عورتوں کی تعلیم۔۔۔: آفتاب مصباحی

بزم اطفال و طلبہ

حمد باری تعالیٰ: شاہ احسان اللہ محمدی
ماں باپ بڑی نعمت: محمد ساجد حسین
اچھے بچے: شبیر شاداب
سیاست اور امارت: محمد افضل حسین
شاہ احسان اللہ محمدی: علی سعید
کیریئر گائڈ: ذکی اللہ مصباحی

تبصرہ: رکن الدین سعیدی

حمد و مدح

مناجات عاشقان الٰہی

دکھا کر اپنا جلوا یا الٰہی
بدل دے دل کی دنیا یا الٰہی

کچھ ایسا لطف فرما یا الٰہی
کہ دیکھوں تیرا جلوا یا الٰہی

ترے رخ کے علاوا یا الٰہی
نہ دیکھوں کچھ خدا را یا الٰہی

قیامِ شب ہو اور جلوے ہوں تیرے
کروں سجدہ پہ سجدا یا الٰہی

جو دیکھے مجھ کو وہ ہو جائے بے خود
کر استغراق ایسا یا الٰہی

مری ہستی کے پردہ میں سرا پا
تو ہی ہو جلوہ فرما یا الٰہی

ترے ہی نور سے میں تجھ کو دیکھوں
ہر اک شئی میں ہویدا یا الٰہی

سعیدؔ اللہ ہی اللہ ہو باقی
فنا ہو جاؤں ایسا یا الٰہی

شیخ ابو سعید شاہ احسان اللہ محمدی

مظہر کامل

محمد مظہر کامل ہے حق کی شان عزت کا
نظر آتا ہے اس کثرت میں کچھ انداز وحدت کا

یہی ہے اصل عالم مادہ ایجاد خلقت کا
یہاں وحدت میں برپا ہے عجب ہنگامہ کثرت کا

گدا بھی منتظر ہے خلد میں نیکوں کی دعوت کا
خدا دن خیر سے لائے سخی کے گھر ضیافت کا

بڑھیں اس درجہ موجیں کثرت افضال والا کی
کنارہ مل گیا اس نہر سے دریائے وحدت کا

الٰہی منتظر ہوں وہ خرام ناز فرمائیں
بچھا رکھا ہے فرش آنکھوں نے کمخواب بصارت کا

وہ چمکیں بجلیاں یارب تجلی ہائے جاناں سے
کہ چشم طور کا سرمہ ہو دل مشتاق رویت کا

رضائے خستہ جوش بحر عصیاں سے نہ گھبرانا
کبھی تو ہاتھ آجائے گا دامن ان کی رحمت کا

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمہ

عرفانی مجلس

افادات: شیخ ابوسعید شاہ احسان اللہ محمدی صفوی/ ترتیب: مجیب الرحمٰن علیمی

تحصیل علم کا مقصود: خوف خدا کا حصول

علم ایک ایسا چراغ ہے، جس کی روشنی میں علم والا اچھائی اور برائی میں تمیز کرتا ہے، حلال وحرام اس کے سامنے واضح ہوتا ہے، کفر وایمان کے درمیان فرق اس کے لیے آسان ہوجاتا ہے۔ یہ انسان کی فطرت ہے کہ اسے جس چیز کی خرابی کا علم ہوجاتا ہے تو وہ اس خرابی سے کسی کے بتائے بغیر خود ہی بچنے لگتا ہے اور جب کسی چیز کی خوبی کا علم ہوجاتا ہے تو کسی کی ترغیب کے بغیر اس چیز کو پانے کی کوشش کرتا ہے۔

یہ سب کو معلوم ہے کہ جاننے والے اور نہ جاننے والے دونوں برابر نہیں ہوسکتے: یَسْتَوِی الَّذِیْنَ یَعْلَمُوْنَ وَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ۝۹ (زمر) صاحب علم کا سینہ اس گھر کی طرح ہے جس میں کوئی چراغ روشن ہو اور جس گھر میں چراغ روشن ہوتا ہے اس گھر کی ہر اچھی بری چیز نظر آتی ہے اور صاحب خانہ اس چراغ کی روشنی کی مدد سے ہر وہ چیز جو اس کے کام کی نہیں ہوتی یا اس کے لیے تکلیف دہ یا مضر ہوتی ہے یا اس کی طبیعت سلیمہ کے خلاف ہوتی ہے، اس کو گھر سے باہر کردیتا ہے اور جو چیز اس کے کام کی اور اس کے حق میں مفید ہوتی ہے، اسے نہایت سلیقے سے سجادیتا ہے، اور ہر پل اس گھر کو مزید مزین اور خوبصورت بنانے کی کوشش کرتا ہے۔ اور جو ایسا نہ کرے وہ یا تو بدذوق ہوگا یا طبیعت سلیمہ سے محروم، جس کی وجہ سے وہ روشنی کی صحیح قدردانی سے قاصر وعاجز ہے۔

علم کا نتیجہ اور ثمرہ یقین بھی ہے، چنانچہ جب کسی شخص کو کسی خوفناک چیز کا یقین ہوجاتا ہے تو دوسرے ہی لمحے وہ اس سے بچنے میں اپنی نجات سمجھتا ہے۔ مثلاً کوئی شخص کھڑا ہو، اور جس کو وہ سچا جانتا ہے اس کی طرف سے یہ کہا جائے کہ تمہارے پاؤں کے پاس ایک اژدھا ہے یا تمہاری پشت کے پیچھے ایک خونخوار درندہ ہے، تو پھر وہ نہ آگے دیکھے گا نہ پیچھے بلکہ بھاگنے کو غنیمت جانے گا۔ یوں ہی جب کسی صادق کی طرف سے کسی عظیم کامیابی کے طریقوں کی خبر ملے گی تو اس خبر کی تحقیق کیے بغیر اپنی مسرتوں کا اظہار کرتے ہوئے، اپنے آپ کو کامیابی سے ہم کنار کرنے کے لیے جہد مسلسل کرنے لگے گا اور اگر ایسا نہیں کرتا ہے تو وہ یا تو خبر دینے والے کو سچا نہیں، جھوٹا جانتا ہے یا ایسا شخص اپنے آپ کو ہلاک کرنے والا اور کامیابیوں سے محروم رکھنے والا کہا جائے گا، یا دوسرے الفاظ میں یوں کہیے کہ ابھی اسے علم ویقین حاصل ہی نہیں ہوا، کیونکہ اگر اسے علم ویقین حاصل ہوجاتا تو ہلاکتوں سے ضرور بچنے کی کوشش کرتا اور کامیابیوں سے اپنے آپ کو سرفراز کرنے کے لیے کوشاں ہوتا۔ معلوم ہوا کہ جہاں بھی علم ویقین ہوگا وہاں دو چیزیں ضرور ہوں گی: ایک خوف اور دوسرا شوق۔ ہلاکتوں کا خوف ہوگا اور کامیابیوں کے حصول کا شوق۔ اور جہاں جہاں یہ چیزیں ہوں گی، جس جس ذات میں یہ چیزیں پائی جائیں گی وہی ذات صاحب علم اور صاحب یقین شمار کی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا۝۲۸ (فاطر) اللہ سے ڈرنے والے ہی علما ہیں۔ یعنی عذاب سے بچنے والے اور اللہ کے احکام پر عمل کرکے اس کی رضا حاصل کرنے کی کوشش کرنے والے ہی عالم ہیں، اور وہی علم مفید ہے جو اللہ کے عذاب سے بچنے اور اس کی رضا حاصل کرنے میں معاون ومددگار ہو، بقیہ سب خرافات و فضول ہیں۔ جو علم کسی بھی صورت میں اللہ تک نہ لے جائے اور اس کے عذاب سے بچنے کی رغبت نہ دلائے وہ علم نہیں، جہل ونادانی ہے، وہ علم یقینی نہیں، علم رسمی ہے، وہ علم رحمانی نہیں، علم شیطانی ہے۔

علمِ رسمی کام آسکتا نہیں — جب تلک پیدا نہ ہو کامل یقیں
علم سے پیدا نہ ہو تقویٰ اگر — بے گماں وہ علم ہے نامعتبر

اداریہ

شوکت علی سعیدی

جس کی ضرورت تھی

آج کی تیز رفتار دنیا آن واحد میں ایک انقلاب برپا کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ یہ جس طریقے سے مادی ترقی کی جانب تیز گام ہے اسی طریقے سے عام انسان کی ذہنی وفکری رویوں میں برق رفتاری سے بدلاؤ لا رہا ہے۔ یہ کہنا بہت دشوار ہے کہ موجودہ نسلیں آنے والے دنوں میں کس فکر کی حامل ہوں گی؟ ہمارے دین ومذہب اور ماحول وسماج کے ذمے دار کیسے لوگ ہوں گے؟ اس بات کا اندازہ نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ نئی نسلیں نہ تو کسی بند کوٹھری میں رہنا چاہتی ہیں اور نہ ہی ایک خاص قسم کی فکری غذا لینے کے لیے تیار ہیں۔ انھیں ایک کھلی فضا چاہیے تاکہ آزادانہ طور پر جس چیز کو وہ چاہیں حاصل کر سکیں۔

ان حالات میں والدین، گارجین اور قوم کے حساس افراد کا بے چین ہونا فطری بات ہے۔ وہ اپنے بچے، احباب اور قوم کو جس ڈگر پر چلانا چاہتے ہیں اور جیسا انھیں بنانا چاہتے ہیں اس میں مشکلیں پیش آ رہی ہیں۔ حالانکہ ان اسباب کی تلاش اور ان کے علاج کے لیے کوششیں بھی جاری ہیں، لیکن بروقت اس کا کوئی واضح حل دکھائی نہیں دے رہا ہے۔ کہیں نہ کہیں کوئی لغزش ضرور ہو رہی ہے جس کی وجہ سے وہ اپنی محنتوں کا پھل پانے میں ناکام ہو رہے ہیں۔ میرے خیال میں سب سے بڑی لغزش یہ ہو رہی ہے کہ عوام کی اصلاح اور ان کی علمی وفکری ترقی کی باتیں تحریر وتقریر کے ذریعے جوان تک پہنچانا چاہتے ہیں، وہ آڈیٹوریم، سیمینار ہال اور قیمتی کاغذوں میں ہی قید ہو کر رہ جاتی ہیں۔ نہ عوام کی رسائی ان تک ہو پاتی ہے اور نہ ہی ان تک پہنچانے کی کوئی کوشش کی جاتی ہے۔ ساتھ ہی ساتھ انداز پیش کش میں بھی عوام کی صلاحیت، دلچسپی اور ذوق وضرورت کا خیال نہیں رکھا جاتا ہے۔ اگر حالات کے مطابق، وقت کی اہم ضرورتوں کو سمجھتے ہوئے اور ضرورت مندوں کا لحاظ کر کے، کوئی بات پیش کی جائے تو اسے قبول کرنے میں کوئی دشواری نہیں ہوگی۔

چنانچہ 'شاہ صفی اکیڈمی' الہ آباد سے نکلنے والا علمی اور تحقیقی سالنامہ ''الاحسان'' کی مثالی مقبولیت کے بعد یہ خیال بار بار ستا رہا تھا کہ یہ رسالہ علما اور محققین کی علمی وفکری پیاس بجھانے کے لیے تو کافی ہے لیکن عوام اور کم پڑھے لکھے طبقوں کے لیے نہیں، جب کہ ان کی مذہبی اور ذہنی تربیت کی طرف توجہ دینا زیادہ ضروری ہے۔ اس لیے ایک ایسے ماہنامے کی ضرورت محسوس ہوئی جس سے عام لوگوں کی ذہنی وفکری اور مذہبی وروحانی غذا فراہم کی جا سکے۔

انھیں ضرورتوں کو سامنے رکھ کر داعئ اسلام ابوسعید شاہ احسان اللہ محمدی صفوی مدظلہ العالی کی خدمت میں مجھ جیسے کم علم نے یہ عریضہ پیش کیا کہ ایک ایسے ماہنامے کی اشد ضرورت ہے جس کے قاری عام مسلمان ہوں۔ شیخ طریقت مدظلہ العالی قوم کے نبض

شناس ہیں۔ ان کی نظروں میں اس کی ضرورت واہمیت پہلے سے ہی اجاگر تھی بس انتظار اس کا تھا کہ کوئی اس کام کی ذمے داری قبول کرے۔ میرے اس عریضے پر انھوں نے نہ صرف مسرت کا اظہار کیا بلکہ کچھ اہم مشمولات کی رہنمائی کرتے ہوئے کئی بنیادی نکات بھی بتائے اور اس بات کی تاکید فرمائی کہ زبان عام فہم، سادہ اور آسان ہو۔ اسلوب بھی ایسا ہو کہ بڑی سے بڑی بات بھی عام قاری آسانی سے سمجھ سکے اور انھیں یہ محسوس ہو کہ یہ مجھ جیسوں کے لیے ہی تحریر کی گئی ہے۔

رسالے کے نام کے سلسلے میں بات آئی تو ایک نام جو برسوں سے ناچیز کے خیال میں گردش کر رہا تھا، دفعتاً شیخ طریقت دامت برکاتہم العالیہ کی بارگاہ میں عرض کر دیا۔ وہ نام تھا ''خضر راہ'' شیخ طریقت نے برجستہ فرمایا کہ بہت اچھا نام ہے، پھر بھی احباب کے مشوروں سے کوئی نام آئے تو دیکھا جائے لیکن میرے لیے یہ مسرت کا باعث رہا کہ اسی نام کو تمام احباب نے پسند فرمایا۔

یہ قول مشہور ہے کہ ''کہنا ہے بہت آساں کرنا ہے بڑا مشکل۔'' چنانچہ میں نے کہہ تو دیا اور کرنے کا حکم بھی صادر ہو گیا۔ اب میرے اوپر امتحان کی گھڑی آ گئی اور پنڈولیم کانٹے کی طرح ٹک ٹک کرتے ہوئے دل کو دھڑکانے لگا، لیکن شیخ کے حکم اور دعاؤں نے میری حوصلہ افزائی کی۔ میں نے اس کے لیے جدوجہد شروع کر دی اور نتیجہ کے طور پر ''خضر راہ'' سامنے ہے۔

اس پہلے شمارے میں کچھ چیزیں تو ایسی ہیں جو عام رسائل میں مل جاتی ہیں لیکن کچھ نئی چیزیں یقیناً ایسی ہیں جو میری نظر سے اب تک نہیں گزری ہیں، جیسا کہ میں نے پہلے ہی عرض کیا تھا کہ اس میں عوام کی ضرورت اور ان کی سمجھ وصلاحیت کا خاص لحاظ رکھا گیا ہے اور اسی خصوصیت وانفرادیت کو آئندہ بھی برقرار رکھنے کی کوشش ہوگی۔ ساتھ ہی یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ کچھ ایسے طلبہ کے مضامین بھی شامل کیے گئے ہیں اور آئندہ بھی کیے جائیں گے جو درس نظامیہ کے ابتدائی درجوں میں زیر تعلیم ہیں، تاکہ ان کی فکری تربیت کے ساتھ، ان کی تحریری صلاحیت بھی نکھر سکے۔

واضح رہے کہ تمام مشمولات کو تعلیمی اور تبلیغی مزاج کے پیش نظر آپ تک پہنچانے کی کوشش کی جارہی ہے۔ لہٰذا قرآن و حدیث، واقعات وافکار اور معلومات سے متعلق کسی بھی طرح کا سوال یا الجھن ہو تو ادارہ سے رابطہ ضرور کریں۔ ان شاء اللہ تشفی بخش جواب دینے کی کوشش کی جائے گی۔

آخر میں قلم کاروں سے گذارش ہے کہ اس رسالے کے مزاج کو دیکھتے ہوئے مضامین ارسال کریں۔ ان شاء اللہ انھیں شامل اشاعت کیا جائے گا۔ قارئین سے بھی گذارش ہے کہ اس کوشش کو اپنی پسند اور ناپسند کے ساتھ مخلصانہ مشوروں سے فون، خط یا ای میل کے ذریعے ضرور نوازیں تاکہ اسے آپ کے لیے بہتر سے بہتر کیا جا سکے۔

ہم نے جو شمع جلائی ہے، نہ بجھنے پائے
اب تو لے دے کے یہی کام ہمارا ٹھہرا

مولانا اشتیاق عالم مصباحی

سورۂ فاتحہ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ① (فاتحہ)

ترجمہ: تمام تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جو سارے جہان کا پروردگار ہے۔

اس آیت میں حمد، اللہ، رب اور عالمین کا ذکر ہے۔ ہر لفظ اپنے آپ میں بے پناہ معانی اور مطالب رکھتا ہے۔

حمد: یہ لفظ خاص خدا کے لیے استعمال کیا جاتا ہے، حمد سے مراد اللہ عز وجل کی تعریف ہے۔ مفسرین عظام کا کہنا ہے کہ اچھی خوبیوں پر تعریف کرنا خواہ نعمت کے بدلے ہو یا نعمت کے بغیر حمد کہلاتا ہے۔

معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی تعریف ہر حال میں کرنا چاہئے خواہ اللہ نعمت دے یا نہ دے، یہی کمال بندگی ہے۔ ویسے دنیا میں جس چیز کو دیکھئے، سب میں نعمت خداوندی کے جلوے نظر آئیں گے، جیسے اگر کوئی شخص بظاہر کسی پھول کی خوشبو کی تعریف کرتا ہے یا کسی عالم کی تعریف کرتا ہے تو حقیقت میں وہ اللہ تعالیٰ ہی کی تعریف ہے، کیونکہ پھول کے اندر جو خوشبو اور عالم کے اندر جو علم ہے وہ اللہ تعالیٰ ہی کی عطا کردہ ہے اور اس بات سے کسے انکار ہوسکتا ہے کہ ہر چیز کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اور اسی کے فضل و احسان سے دنیا کی تمام اشیا معمور ہیں۔

کچھ لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ اللہ کی تعریف کے کچھ مخصوص اوقات ہوتے ہیں جبکہ یہ زندگی کے ہر لمحے میں کیا جاسکتا ہے۔ اس کے لیے کوئی وقت متعین نہیں، صبح و شام، اٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کی جاسکتی ہے۔

اللّٰہ: لفظ اللہ اس ذات کے لیے خاص ہے جس نے تمام جہانوں کو پیدا فرمایا ہے۔ یہ لفظ تمام صفات و کمالات کا جامع ہے۔ علما کے نزدیک اس کا مطلب ہے سب سے اعلیٰ و ارفع، اور یہ سچائی ہے کہ اللہ کی ذات سے بڑا کوئی نہیں ہے، نہ کبھی ہوا ہے اور نہ کبھی ہوسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کائنات کے ذرے ذرے کا مالک ہے، قرآن مقدس میں ہے:

اللہ ایک ہے۔ اللہ بے نیاز ہے۔ نہ اس کی کوئی اولاد ہے اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے اور نہ اس کے برابر کوئی ہے۔

اس کی ذات ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی۔ اسے ہر طرح کی قدرت حاصل ہے وہ جو چاہے کرے مختار ہے، مگر یہ یاد رہے کہ وہ ہر چیز پر قادر ہوتے ہوئے بھی کسی پر ظلم نہیں کرتا، کسی کو ستاتا نہیں اور نہ کسی کا حق مارتا ہے۔ اگر کوئی انسان کسی پریشانی میں مبتلا ہوتا ہے تو وہ اس کے اعمال کا نتیجہ ہوتا ہے۔

رب: رب کا لغوی معنی ہے مالک، پالنے والا، لیکن اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، کیونکہ یہی ذات حقیقت میں تمام مخلوقات کا پالنہار ہے۔ لیکن معمہ سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ ایک طرف تو ہم یہ اقرار کرتے ہیں کہ اپنے مالک کے بندے ہیں اور دوسری طرف اپنے مالک کے حکم کی نافرمانی بھی کرتے نظر آتے ہیں۔ یہ کیسی بندگی ہے؟

عالمین: عالمین، عالم کی جمع ہے جس کا ایک معنی دنیا ہے جب کہ کچھ علما نے لکھا ہے کہ عالمین کا مطلب ہے: ''تمام مخلوق''۔

اللہ تعالیٰ نے بے شمار عالم پیدا فرمائے۔ بعض علما کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دس ہزار سے زیادہ عالم پیدا کیے۔ کچھ علما کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اٹھارہ ہزار عالم پیدا فرمائے ہیں۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے چالیس ہزار عالم پیدا فرمائے جو مشرق سے مغرب تک وسیع و عریض ہیں۔ حضرت ابو العالیہ سے مروی ہے کہ جن ایک عالم ہے، انس ایک عالم ہے اور زمین کے چار زاویے ہیں اور ہر زاویے میں پندرہ سو عالم ہیں۔

ان تمام باتوں سے قطع نظر اللہ تعالیٰ نے جتنے بھی عالم پیدا فرمائے ہیں وہ تمام عالم، عالمین کے دائرے میں شامل ہیں جن کا اندازہ لگانا ایک بندے کے بس میں نہیں۔

غلام رسول سعیدی لکھتے ہیں کہ اللہ کے سوا ہر موجود عالم ہے اور ہر مخلوق عالم میں شامل ہے۔ اس کی دلیل یہ دیتے ہیں کہ جب:

''فرعون نے کہا: رب العالمین کیا ہے؟ (موسیٰ نے) کہا وہ آسمانوں، زمین اور ان کے درمیان ہر چیز کا رب ہے۔ اگر تم یقین کرنے والے ہو۔'' (شعرا، آیت: ۲۳ تا ۲۴)

اس آیت میں تمام آسمان و زمین اور ان کے درمیان ہر چیز عالم ہے، جس کی جمع عالمین ہے۔

ان تمام تشریحات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ حمد صرف اللہ تعالیٰ کے لیے خاص ہے۔ اللہ رب العلمین کی ذات وصفات سب سے اعلیٰ و ارفع ہے اور وہ سارے جہانوں کا مالک ہے۔

یہاں یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ کسی کی بھی تعریف، ان چار اسباب کی بنا پر کی جاتی ہے:

۱۔ وہ اپنی ذات وصفات میں کامل و اکمل ہو اور ہر عیب سے پاک ہو۔

۲۔ اس کے احسانات بے شمار ہوں۔

۳۔ مستقبل میں بھی اس کے احسان کی امید ہو۔

۴۔ دل میں اس کے غیظ و غضب کا خوف ہو۔

اور یہ چاروں صفات اللہ تعالیٰ کی ذات کو ہی زیب دیتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ خود ہی فرماتا ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ① (فاتحہ)

گویا اللہ اپنی ذات وصفات میں کامل و اکمل ہے۔

الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ② (فاتحہ)

بندوں پر اللہ کا بے شمار احسان ہے کہ انھیں طرح طرح کی نعمتیں عطا کیں اور مستقبل میں بھی زندگی سے لے کر آخرت تک بندے اللہ تعالیٰ کے احسانات کے امیدوار ہیں۔

مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ③ (فاتحہ)

اللہ تعالیٰ سزا و جزا کا تنہا مالک ہے جسے چاہے گا عذاب دے گا اور جسے چاہے گا بخش دے گا۔

اس لیے اگر تعریف کا حق دار کوئی ہے تو وہ صرف اور صرف اللہ رب العزت کی ذات ہے کہ وہ تمام جہانوں کا مالک اور پالنہار ہے۔

+++

جنت میں کون نہیں جائے گا؟

دنیا کا یہ دستور ہے کہ جب آقا کسی غلام کو خریدتا ہے تو اس کے لیے اپنے مالک کی تابعداری کرنا ضروری ہوتا ہے۔اس کا حکم بجالانا اس غلام کی ذمے داری ہوتی ہے۔اگر غلام اپنے آقا کے حکم اور فرمان کے خلاف کرتا ہے تو وہ ہر حال میں سزا کا مستحق ہوتا ہے۔اسی طرح اللہ تعالیٰ جو سب حاکموں کا حاکم ہے۔ سارے جہان کا پروردگار ہے۔اس نے انسان اور جنات کو اسی لیے پیدا فرمایا ہے کہ وہ اس کی عبادت کریں۔

اب اگر کوئی بندہ اللہ تعالیٰ کی عبادت نہیں کرتا،اس کے حکم کے خلاف کام کرتا ہے تو اسے سزا ملے گی۔وہ زندہ ہے تو دنیا میں پریشانی اٹھا سکتا ہے اور اگر وفات پا گیا تو کل قیامت کے دن جہنم میں جائے گا۔

عبادت کیا ہے؟ تو جواب صاف ہے کہ اللہ رب العزت نے جن احکام کو بجالانے کا حکم عطا فرمایا ہے اس کو بجالانا اور جن سے بچنے کا حکم عطا فرمایا ہے،اس سے بچنا ہی عبادت ہے،اللہ کا حکم ہے کہ:مَا آتَاکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَہَاکُمْ عَنْہُ فَانْتَہُوْا ۞(حشر)

ترجمہ:رسول تمھیں جو عطا کریں اسے لے لو اور جس سے روکیں اس سے رک جاؤ۔

اس آیت کریمہ کا صاف مطلب یہ ہے کہ رسول اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اتباع کرو۔ان کے حکم کی تابعداری کرو اور ہرگز ہرگز خلاف ورزی نہ کرو، ورنہ ہلاکت میں مبتلا ہو جاؤ گے اور پھر تمھارا ٹھکانہ جہنم ہوگا۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

اَنَّ رجُلاً قَالَ یَا رَسُوْلَ اللہِ!ما حَقُّ الْوَالِدَیْنِ عَلٰی وَلَدِہِمَا؟قَالَ:ہُمَا جَنَّتُکَ و نَارُکَ۔(سنن ابن ماجہ)

ترجمہ:ایک شخص نے عرض کیا:یارسول اللہ!(صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ماں باپ کا اولاد پر کیا حق ہے؟

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ دونوں تمھارے لیے جنت ہیں اور تمھارے لیے جہنم۔

اس حدیث شریف میں جہاں والدین کی عظمت کا اظہار ہے وہیں ان اولاد کے لیے تنبیہ بھی ہے جو اپنے ماں باپ کے ساتھ بدسلوکی سے پیش آتے ہیں اور ان اولاد کے لیے خوشخبری ہے جو اپنے ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کا برتاؤ کرتے ہیں،یعنی جو شخص اپنے ماں باپ کو راضی رکھے گا جنت کا حق دار ہوگا اور جو ناراض رکھے گا وہ دوزخ کا ایندھن بنے گا۔

عبداللہ ابن عمرو رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں:

عَنِ النَّبِیِ صلَّی اللہ تعالیٰ عَلَیہ وَسَلَّمَ قَالَ لَایَدْخُلُ الْجَنَّۃَ عَاقٌّ وَلَا قَمَّارٌ وَلَا مَنَّانٌ وَلَا مُدْمِنُ خَمْرٍ۔ (مسند احمد،مشکوۃ)

ترجمہ:حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا کہ والدین کی نافرمانی کرنے والا،جوا کھیلنے والا،احسان جتانے والا اور شراب کا عادی جنت میں داخل نہ ہوگا۔

اس حدیث پاک میں تین اشخاص کو جہنمی بتایا گیا ہے۔

۱۔ماں باپ کی نافرمانی کرنے والا،کیونکہ ماں باپ کی

ناراضگی میں رب تبارک و تعالیٰ کی ناراضگی ہے اور اللہ کو ناراض کرنے والے کا ٹھکانہ جہنم کے سوا اور کہاں۔

۲۔ جوا کھیلنے والا، یعنی وہ کھیل جس میں روپے اور دولت کی بازی لگائی جائے۔

۳۔ احسان جتانے والا، یعنی دوسروں کے ساتھ بھلائی کر کے لوگوں کو بتاتے رہنا۔ ایسے احسان کرنے والے کو نہ اللہ پسند کرتا ہے نہ اس کا رسول اور جنھیں اللہ و رسول پسند نہ کرے اس کا ٹھکانہ جہنم ہی تو ہوگا۔

۴۔ شراب کا عادی، شراب ایک حرام چیز ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے استعمال کرنے سے منع فرمایا ہے۔ جو کوئی اس کی حکم کی نافرمانی کرے اس کی سزا جہنم ہے۔

عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے:

قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صلَّی اللّٰہُ تعالیٰ عَلَیہ وَسَلَّم اِنَّ الصِدْقَ بِرٌّ اِنَّ البِرَّ یَھْدِیْ اِلَی الْجَنَّۃِ وَ اِنَّ الکِذْبَ فُجُوْرٌ وَ اِنَّ الفُجُوْرَ یَھْدِیْ اِلَی النَّارِ۔ (صحیح مسلم)

ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سچ بولنا نیکی ہے ں اور نیکی جنت میں لے جاتی ہے اور جھوٹ بولنا فسق و فجور ہے اور فسق و فجور دوزخ میں لے جاتا ہے۔

اس حدیث میں جھوٹ کو جہنم کی طرف لے جانے والا قرار دیا گیا ہے کیوں کہ جھوٹ بولنے والے پر اللہ کی پھٹکار ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ عز و جل فرماتا ہے: اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰہِ عَلَیْہِ اِنْ کَانَ مِنَ الْکٰذِبِیْنَ﴿۶۱﴾ (آل عمران)

یعنی جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ہے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: لَا یَدْخُلُ الْجَنَّۃَ قَتَّاتٌ۔ (بخاری)

ترجمہ: چغل خور جنت میں نہیں جائے گا۔

عبدالرحمن بن غنم اور اسما بنت یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں:

اَنَّ النَّبِیَّ صلَّی اللّٰہ تَعَالیٰ عَلَیہ وَسَلَّمَ قَالَ شِرَارُ عِبَادِ اللّٰہِ الْمَشَّاؤُنَ بِالنَّمِیْمَۃِ۔ اَلْمُفَرِّقُوْنَ بَیْنَ الاَحِبَّۃِ۔ (احمد، بیہقی)

ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خدائے تعالیٰ کے بدترین بندے وہ ہیں جو لوگوں میں چغلی کھاتے پھرتے ہیں اور دوستوں کے درمیان جدائی ڈالتے ہیں۔

چغل خور یعنی وہ شخص جو کسی کی پیٹھ پیچھے برائی کرتا ہے۔ ایسا کرنا حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلَا یَغْتَبْ بَعْضُکُمْ بَعْضاً﴿۱۲﴾ (حجرات) تم میں سے کوئی کسی کی چغل خوری نہ کرے۔

اس برے عمل کے ذریعے انسان دو جرموں کا ارتکاب کرتا ہے۔ ایک تو اللہ کی حرام کی ہوئی چیز کو اپناتا ہے جو آخرت کے لیے گھاٹے کا سودا ہے۔ دوسرا اپنے دوستوں کو خود سے جدا کر لیتا ہے جو سماج و معاشرے میں نقصان کا سبب ہے۔

بعض دفعہ انسان گفتگو کے دوران کچھ ایسی باتیں کہہ جاتا ہے جسے وہ جھوٹ، چغلی اور فسق و فجور نہیں سمجھتا جب کہ وہی باتیں اس کے لیے بہت بڑے عذاب کی شکل اختیار کر لیتی ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے:

اَلنَّبِیِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ: اَنَّ الْعَبْدَ لَیَتَکَلَّم بِالْکَلِمَۃِ مَا بَیْنَ فِیْھَا یَزِلُ بِھَا اِلی النَّارِ اَبْعَدَ کَمَا بَیْنَ الْمَشْرِقِ والْمَغْرِبِ۔

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ بندہ کوئی ایسا کلمہ کہہ دیتا ہے جس کی وجہ سے دوزخ میں اتنی دور چلا جاتا ہے جتنا کہ مشرق اور مغرب کے درمیان فاصلہ ہے۔

+++

حافظ مولانا محمد یعقوب
امام وخطیب مسجد خلیل اللہ

طہارت کے فرائض

اللہ تعالیٰ پاک ہے اور پاکی کو پسند فرماتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

النظافۃ جزء من الایمان۔ یعنی پاکیزگی اور طہارت ایمان کا ایک حصہ ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ ہر مسلمان پاک وصاف رہے۔ پاک رہنے سے جہاں ایمان میں پختگی آتی ہے وہیں بہت ساری جسمانی بیماریوں سے بھی بچا جا سکتا ہے۔ اللہ کے بہت سے بندے ایسے ہیں جو نہاتے دھوتے ہیں لیکن پھر بھی وہ ایسی پاکی حاصل نہیں کر پاتے جس کا حکم اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا ہے۔ چنانچہ پاکیزگی اور طہارت کے طریقے درج کیے جاتے ہیں تاکہ وہ صحیح ڈھنگ سے پاکی حاصل کر سکیں۔

غسل کے فرائض

۱۔ کلی کرنا یعنی حلق تک پانی پہنچانا

۲۔ ناک کے نرم حصے تک پانی پہنچانا

۳۔ پورے بدن پر پانی بہانا

مسئلہ: جمعہ، عید، بقرعید کے لیے اور عرفہ کے دن اور احرام باندھنے کے وقت نہانا سنت ہے۔

وضو کے فرائض

۱۔ منہ دھونا

۲۔ کہنیوں سمیت دونوں ہاتھ دھونا

۳۔ سر کا مسح کرنا

۴۔ ٹخنوں سمیت دونوں پاؤں دھونا

کسی عضو کے دھونے کے یہ معنی ہیں کہ اس عضو کے ہر حصے پر کم سے کم دو بوند پانی بہہ جائے۔

مسئلہ: قرآن کریم چھونے کے لیے وضو فرض ہے۔

مسئلہ: زبانی قرآن پڑھنے کے لیے وضو مستحب ہے۔

مسئلہ: گھٹنا یا ستر کھلنے سے، اپنا یا دوسرے کا ستر دیکھنے سے یا چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔

مسئلہ: ناخن پالش استعمال کیا اور اس سے ناخنوں پر ہلکی تہہ جم گئی تو اگر ناخنوں سے پالش صاف کیے بغیر وضو کیا تو وضو نہ ہوا۔

تیمم کے فرائض

(۱) نیت (غسل یا وضو کے لیے دل سے پاکی کا ارادہ کرنا)

(۲) منہ پر ہاتھ پھیرنا

(۳) دونوں ہاتھ کا کہنیوں سمیت مسح کرنا

مسئلہ: تیمم اسی چیز سے ہو سکتا ہے جو جنس زمین سے ہو مثلاً چونا، پتھر، پکی اینٹ وغیرہ اور جو چیز زمین کے جنس سے نہیں اس سے تیمم جائز نہیں۔

مسئلہ: جس جگہ سے ایک شخص نے تیمم کیا دوسرا بھی کر سکتا ہے۔

مسئلہ: سلام کا جواب دینے اور درود شریف وغیرہ وظائف پڑھنے اور سونے اور بے وضو مسجد میں جانے اور زبانی قرآن شریف پڑھنے کے لیے تیمم جائز ہے۔ اگرچہ پانی پر قدرت ہو مگر اس تیمم سے نماز جائز نہیں۔

مسئلہ: جن چیزوں سے وضو ٹوٹتا ہے یا غسل واجب ہوتا ہے ان سے تیمم بھی ٹوٹ جاتا ہے اور ان کے علاوہ پانی کے استعمال پر قادر ہونے سے بھی تیمم ٹوٹ جائے گا۔

+++

شیخ ابوالحسن خرقانی کی تعلیمات

شیخ ابوالحسن خرقانی کا اصل نام ”علی بن جعفر“ ہے۔ وہ اپنے وقت کے بہت بڑے بزرگ، خدار سیدہ اور صوفی تھے۔ ان کی پیدائش شیخ ابویزید علیہ الرحمہ کی وفات کے کافی دنوں بعد ہوئی۔ تصوف میں ان کی نسبت سلطان العارفین ابو یزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ سے ہے جبکہ سلوک میں ان کی روحانی تربیت شیخ ابو یزید علیہ الرحمہ نے کی۔ شیخ ابوالحسن منگل کی رات ماہ محرم ۴۲۵ھ میں وفات پائی۔ ادارہ

شیخ خرقانی رحمۃ اللہ علیہ ایک دن اپنے مریدوں سے کہنے لگے کہ کون سی چیز بہتر ہے؟

سب نے کہا کہ اے شیخ! آپ ہی فرمائیں۔

آپ نے فرمایا: وہ دل جس میں صرف اللہ کی یاد ہو۔ پھر لوگوں نے پوچھا کہ صوفی کس کو کہتے ہیں؟

آپ نے فرمایا: صوفی جبہ اور مصلےٰ سے نہیں ہوا کرتا اور نہ ہی رسم و عادت سے۔ صوفی وہ ہے جو خود کچھ نہ ہو۔

مزید فرماتے ہیں کہ صوفی اس دن صوفی ہوتا ہے جس دن اس کو آفتاب کی حاجت نہ ہو اور اس رات ہوتا ہے کہ اس کو چاند، ستارے کی ضرورت نہ ہو اور نیستی (موجود نہ ہونا) یہ ہے کہ ہستی (وجود) کی حاجت نہ ہو۔

شیخ خرقانی علیہ الرحمہ سے پوچھا گیا کہ مرد کو کیونکر معلوم ہو کہ وہ بیدار ہے؟

فرمایا: اس طرح کہ جب خدا کو یاد کرے سر سے پاؤں تک خدا کی یاد سے باخبر ہو۔

پھر پوچھا گیا کہ سچ کیا ہے؟ کہا سچ یہ ہے کہ دل کی بات کہے، یعنی وہ کہے جو اس کے دل میں ہو۔

جب ان سے یہ پوچھا گیا کہ اخلاص کس کو کہتے ہیں؟ فرمایا: جو خدا کے لیے کرے وہ اخلاص ہے اور جو لوگوں کے لیے کرے وہ ریا ہے۔

پھر ان سے پوچھا گیا کہ فنا و بقا کی بات کرنے کی اجازت کس کو ہے؟

شیخ خرقانی علیہ الرحمہ نے فرمایا: اس شخص کو کہ اگر اس کو ایک ریشمی تار سے آسمان سے لٹکا دیں اور ایسی ہوا چلے کہ درخت، مکانات اور پہاڑ اکھڑ جائیں لیکن اس کو اپنی جگہ سے ہلا نہ سکے۔

وہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ کبھی ایسے شخص کی صحبت نہ رکھو کہ تم تو کہو کہ خدا نے دی ہے، وہ کہے کسی اور نے۔

شیخ خرقانی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ غم طلب کر، یہاں تک کہ تیری آنکھوں سے پانی نکل آئے کیونکہ حق تعالیٰ بندوں کے رونے کو پسند کرتا ہے۔

مزید یہ نصیحت بھی فرماتے ہیں کہ اگر کوئی گانا گائے

اوراس سے خدا کو چاہے اس سے بہتر ہے کہ قرآن پڑھے اوراس سے خدا کو نہ چاہے۔

انبیاومرسلین علیہم الصلاۃ والسلام کے وارثین کی نشاندہی کرتے ہوئے شیخ خرقانی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وارث وہ شخص ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نعل (سنت) کی پیروی کرے، وہ شخص نہیں جو کاغذ کالے کرتا رہے۔

وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ آج چالیس سال ہو چکے ہیں کہ ایک ہی وقت میں ہوں اور خدائے تعالیٰ میرے دل کو دیکھتا ہے تو اپنے سوا کسی کو نہیں دیکھتا: ''مَا بَقِیَ فِیَّ بِغَیْرِ اللّٰہِ شَئیٌ وَ لَا فِیْ صَدْرِیْ بِغَیْرِہٖ قَرَارٌ۔''

یعنی میرے اندر خدا کے سوا اور کچھ نہیں رہا اوراس کے بغیر مجھے قرار بھی نہیں ہے۔

شیخ خرقانی علیہ الرحمہ یہ بھی کہتے ہیں کہ چالیس سال ہو چکے ہیں کہ میرا نفس ٹھنڈے پانی کا ایک گھونٹ مانگتا ہے یا کھٹی لسی لیکن ابھی تک میں نے اس کو نہیں دیا۔

وہ یہ بھی فرماتے ہیں علما اور عابد جہان میں بہت ہیں، تجھ کو چاہیے کہ دن کو اس طرح رات کر دے جیسا کہ خدا پسند کرتا ہے اور رات کو اس طرح دن بنا دے جس کو خدا پسند کرے۔

وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ دلوں میں سب سے زیادہ روشن وہ دل ہے کہ جس میں مخلوق نہ رہے اور سب سے بہتر کام وہ ہے کہ اس میں مخلوق کا اندیشہ نہ ہو۔ سب نعمتوں سے حلال وہ ہے کہ تیری اپنی کوشش سے ہو اور سب سے بہتر رفیق وہ ہے کہ اس کی زندگانی خدا کے ساتھ ہو۔

(نفحات الانس، ص:۳۲۹)

+++

اللہ والوں کی حالت

حامد اسود کہتے ہیں: جنگل میں ابراہیم خواص کے ساتھ تھا۔ ہم نے رات ایک دوست کے گھر گذاری۔ اچانک ایک شیر آ گیا۔ میں درخت پر چڑھ گیا اور صبح تک وہیں رہا۔ رات بھر مجھے نیند نہ آئی، مگر ابراہیم خواص سو گئے اور شیر سر سے لے کر پاؤں تک انھیں سونگھتا رہا اور پھر چلا گیا۔

دوسری رات ہم نے بستی میں جا کر ایک مسجد میں گذاری۔ وہاں ایک مچھر ان کے چہرے پر بیٹھا اوراس نے کاٹ لیا۔ آپ نے رونا شروع کر دیا۔ میں نے کہا: عجیب بات ہے، کل تو آپ شیر سے بھی نہیں گھبرائے اور آج آپ نے ایک مچھر کے کاٹنے سے رونا شروع کر دیا؟

فرمایا: کل ایسی حالت میں تھا جس میں اللہ کے ساتھ ہوتا ہوں، مگر اب جو حالت تھی تو میں اپنے نفس کے ساتھ تھا۔

(رسالہ قشیریہ، ص:۶۷۱)

اسرار التوحید

شیخ ابوسعید فضل اللہ بن ابی الخیر محمد بن احمد میہنی علیہ الرحمہ پانچویں صدی کے مشہور بزرگ اور نظریہ وحدۃ الوجود کے مبلغین میں سے ایک اہم ہستی ہیں۔ ان کی پیدائش خراسان کے میہنہ گاؤں میں ۳۵۷ ہجری کو ہوئی اور ۴۴۰ ہجری میں اسی جگہ وفات پائی۔ "اسرار التوحید فی مقامات ابی سعید" ان کی شخصیت اور ارشادات پر مشتمل ہے جو شیخ محمد بن منور نے ترتیب دی ہے۔ یہ کتاب دنیائے تصوف کی مستند کتابوں میں سے ایک ہے۔ اس کا ترجمہ بنام "اذکار السعید" مولانا رکن الدین سعیدی نے کیا ہے جسے عام افادیت کے لیے پیش کیا جا رہا ہے۔ **ادارہ**

اللہ کے لیے تمام تعریف ہے جس نے اپنے انوار کی تجلیات سے اولیاء اللہ کے دلوں کو روشن کر دیا اور اپنے محبوب بندوں کی پوشیدہ قوتوں کو اپنے رموز و اسرار کا خزانہ بنا دیا۔ ان کی عقلوں سے دبیز پردے کے حجابات کو دور کر دیا۔ اس کے خاص بندے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور ان کی آل واصحاب اور اعوان پر کثرت سے رحمتوں کا نزول ہو۔

بے انتہا حمد و تعریف اور لامحدود شکر اس ذات کے لیے جو عجیب و غریب مخلوقات کا پیدا کرنے والا ہے۔ تمام پاکیزہ صفات اسی مالک کے لیے ہیں جس نے کسی فائدہ اور ضرورت کے بغیر، صرف اپنے باکمال کرم و عنایت اور اپنی غیر معمولی قدرت کے اظہار کے لیے دنیا کو حیرت انگیز مخلوقات کے ساتھ پیدا فرمایا۔

ان میں سے ایک تمام انسانوں کے جدامجد حضرت آدم صفی اللہ علیہ السلام کی تخلیق ہے جن کو اللہ نے ایک مشت خاک سے پیدا فرمایا اور کئی برسوں تک اس چکنی گارا نما گندھی ہوئی مٹی سے تیار شدہ نقش 'جسم' کو کئی برسوں کے لیے مکہ ا ور طائف کے درمیان رکھ دیا۔ پھر جب مشیت خداوندی کے تحت اس نقش 'جسم' میں روح کے برداشت کی قوت پیدا ہوگئی تو اللہ نے اس کو "نَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُوحِيْ" (میں نے اس میں اپنی روح پھونکی) کے زیور سے آراستہ کیا اور اس مجسمہ کو انسان کے نام سے موسوم کیا۔

یہ بھی بات قابل غور ہے کہ انسان، انس اور موانست ایک ہی مادے سے ہیں۔ اس حکیم ازلی نے انسان اول (حضرت آدم) کو ایک مونس اور ہمنوا کی ضرورت کا احساس پیدا کیا، تاکہ تنہائی کی وحشت کو مونس کے ہمراہ رہ کر دور کر سکے۔ اس لیے حضرت حوا علیہا السلام (جو تمام نسل انسانی کی ماں ہیں) کو حضرت آدم علیہ السلام کی بائیں پہلو والی پسلی سے ایک اچھوتی اور بے مثال ایجاد کی شکل میں پیدا کیا اور شہوت جو ہر جاندار کی خاص صفت ہے ان کے درمیان ودیعت فرما دیا، تاکہ اس خاص صفت کے ذریعے انسانی نسل کے فروغ کا رشتہ مضبوط ہو جائے۔ پھر زمین پر کتنے ہزار آدمی رونما ہوئے۔ ان میں ہر کوئی کسی نہ کسی خوبی کا مالک ہے۔ ہر جماعت کسی نہ کسی

خاص فن میں ماہر ہوئی اور ہر قوم کی ایسی الگ الگ زبانیں وجود میں آئیں جو ایک دوسرے سے جدا ہیں۔ایک جڑ کی بہت سی شاخیں ہیں جو خالق حقیقی کے کمال قدرت پر ظاہر و باہر آیات ہیں:

وَفِیْ کُلِّ شَیْءٍ لَہٗ اٰیَۃ
تَدُلُّ عَلٰی اَنَّہٗ وَاحِد

ترجمہ: دنیا کے ہر ذرے میں اس کی ایسی نشانی ہے جو اس کے ایک ہونے پر دلالت کرتی ہے۔

اسی مالک حقیقی نے حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے چند منتخب نفوس کو نبوت و رسالت کا مقدس تاج پہنایا اور یہی جماعت ہے جو خالق و مخلوق، عابد و معبود کے درمیان برزخ بن گئی۔ اللہ تعالیٰ نے ان نفوس قدسیہ کو عظمت کی اس بلندی پر فائز فرمادیا کہ وہ بظاہر مخلوق کے ساتھ مشغول نظر آتے ہیں لیکن حقیقت میں اللہ جل شانہ کی ذات و صفات میں مستغرق رہتے ہیں، تا کہ وہ نور نبوت کے ذریعے حق کی حقیقت سے فیض یاب ہوں۔ پھر اس حقیقت کی طرف عام مخلوق کی رہنمائی کریں اور انھیں گمراہی اور بے دینی سے روکتے رہیں۔نسل انسانی کو جہالت و دشمنی کے بے رحم سیلاب سے نکال کر نجات و امن کے ساحل پر اور شک و تذبذب کے جان لیوا جنگل سے بچا کر یقین و عقل کی مسندوں پر بٹھائیں اور بنی آدم کو حیوانیت کے مقام سے اٹھا کر انسانیت اور پیغام رسانی کے دائرے میں لائیں۔

اس کے بعد اولیائے کرام علیہم الرحمۃ والرضوان کی مقدس ہستیاں ہیں۔ یہ لوگ راہ حقیقت میں انبیا و مرسلین علیہم الصلاۃ و السلام سے قریب تر ہیں۔گروہ اولیا اور طبقۂ انبیا کے درمیان اس سے زیادہ فرق نہیں ہے کہ نبی ایک ہی حال میں بظاہر مخلوق کے ساتھ ہوتے ہیں مگر حقیقت میں وہ خالق کے ساتھ مشغول رہتے ہیں، جب کہ مخلوق کے ساتھ ولی کی مشغولیت، حق کے ساتھ رابطے کے لیے کبھی حجاب ہوجاتی ہے۔(ولی، نبی جیسے یکساں حال پر ہمیشہ قائم نہیں رہ سکتے)

دوسرا فرق یہ ہے کہ نبی دعوت و ارشاد کے لیے مامور و مکلف ہوتا ہے، جب کہ ولی اس کا مکلف نہیں ہوا کرتا۔اللہ رب العزت نے احسن طریقے سے اپنے کمال فضل و عنایت سے اپنی حکمت کے ذریعے انبیا سے الگ اولیا کا وجود بخشا ہے۔

اس کا سبب یہ ہے کہ ہمہ وقت ہر پل ہر دور میں رسولوں کی بعثت اور ضابطہ رسالت کا نفاذ ممکن نہیں، لیکن مقرب بندوں اور اولیائے کرام کا آنا ممکن ہے۔اس میں حکمت یہ تھی کہ جب نسل انسانی اللہ کے ان مخصوص بندوں کے حالات، فرمودات اور معمولات سے واقف ہوجائیں تب ان کے لیے ممکن ہوجائے کہ وہ خود کو دنیائے فانی سے ہمیشہ رہنے والی دنیا کی جانب متوجہ کرسکیں اور ان سب سے واضح ہوجائے کہ فانی دنیا کے علاوہ بھی ایک دوسری دنیا ہے، آدمی کو اسی جہان حقیقی کے لیے پیدا کیا گیا ہے تا کہ اس عالم میں رہ کر اس عالم حقیقی (آخرت) کے لیے رخت سفر کا انتظام کرسکے اور عالم حقیقی سے رابطے کی قوت حاصل کرلے، تا کہ اگر ملائکہ کے درجے تک نہ پہنچ سکے تو کم از کم جانوروں اور حیوانی صفات سے بلند تر ہوجائے۔

(باقی آئندہ)

خواجہ معین الدین چشتی قدس اللہ سرہٗ

جہاں گیر حسن مصباحی

سلطان الہندخواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ سیستان کے قصبہ سنجر میں ۵۳۷ ہجری کو پیدا ہوئے۔آپ ایک دین داراور علمی گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔آپ نجیب الطرفین سید ہیں۔بچپن ہی سے نرم دل اور شریف طبیعت کے مالک تھے۔آپ کی طبیعت بچوں کی عام عادت اورمزاج سے یکسر جدا تھی، بلکہ سچ تو یہ ہے کہ بچپن کے زمانے سے ہی خواجہ غریب نواز کے اندر وہ تمام آثار نمایاں تھے جو ایک مردمومن کی علامت اور پہچان ہوتی ہے۔

تعلیم وتربیت: حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ کی نشو ونما خراسان میں ہوئی اوروہیں پلے بڑھے۔جب پندرہ سال کے ہوئے تو والد بزرگوار کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ ترکہ میں ایک باغ ملا ہوا تھا، اسی کی نگہبانی کیا کرتے تھے۔ ایک دن ابراہیم قندوزی نامی بزرگ باغ میں آئے۔خواجہ رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی خدمت میں انگور کے خوشے پیش کیے لیکن انھوں نے انگور نہیں کھایااور کھلی کے ایک ٹکڑے کو دانتوں سے چبا کرخواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کو دیا۔اس کھلی کا کھانا تھا کہ حضرت کا دل انوار الٰہی سے معمور ہو گیا۔علائق کو چھوڑ کر طلب حق کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے اور سمرقند وبخارا پہنچے۔وہیں کلام مجید حفظ کیااور علوم ظاہری کی تکمیل فرمائی۔

شرف بیعت: تعلیم مکمل کرنے کے بعد عراق پہنچے اور حضرت خواجہ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ سے شرف بیعت حاصل کی۔کچھ دنوں تک مرشد کی خدمت میں رہے اورطریقت ومعرفت کی منزلیں طے کیں۔ پھرجب عشق رسول کی تپش بڑھی تو مدینہ طیبہ کا ارادہ کیا،وہاں کچھ دن گذارنے کے بعد بارگاہ نبوی سے اشارہ ملا کہ ہندوستان جاؤ اوردین اسلام کی تبلیغ کرو۔

ہندوستان آمد: خواجہ رحمۃ اللہ علیہ مختلف مقامات مقدسہ کی زیارت کرتے ہوئے ہندوستان تشریف لائے۔آپ جس وقت تشریف لائے،اس وقت ہندوستان میں ہرطرف کفر وضلالت کا بازار گرم تھا۔انسانیت انسانوں کے ہاتھوں پامال ہورہی تھی۔لوگ ایک خدا کی پرستش کے بجائے کئی خداؤں کا تصور رکھتے تھے اورطرح طرح کے خرافات میں مبتلا تھے۔ایسے حالات میں آپ نے توحید ورسالت کی ایسی شمع روشن کی کہ اس کی روشنی سے سرزمین ہندآج تک منور ہے اورتا قیامت یوں ہی منور رہے گی۔

ہر دور میں ہندوستان کے حکمرانوں کوخواجہ رحمۃ اللہ علیہ سے بے پناہ عقیدت رہی۔اس کے شواہد تاریخی دستاویزات کے ساتھ ساتھ، درگاہ اجمیر شریف میں ان بادشاہوں کی حاضری،تعمیرات اورنذرونیاز جیسے اعمال ہیں۔

ازدواجی زندگی: خواجہ رحمۃ اللہ علیہ کی دو شادیاں ہوئیں،جن میں ایک ''عصمت بی بی'' جوحاکم اجمیر کی بیٹی تھیں اور دوسری ایک ہندوراجہ کی لڑکی ''بی بی امۃ اللہ'' تھیں جومشرف بہ اسلام ہوگئی تھیں۔

خواجہ علیہ الرحمہ کے تین لڑکے سیدفخرالدین،سیدضیاءالدین ابوسعید اور سید حسام الدین رحمۃ اللہ علیہم تھے اور ایک بیٹی ''بی بی حافظہ جمال'' رحمۃ اللہ علیہا تھیں۔

معمولات: ایمان کی اصل یہ ہے کہ مومن کے اندر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ماں، باپ، اولاد اور مال، بلکہ ہر چیز سے زیادہ ہو، جس قدر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہوگی اسی قدر ایمان میں مضبوطی آئے گی۔ خواجہ رحمۃ اللہ علیہ کے معمولات دیکھنے سے واضح ہوتا ہے کہ ان کی تمام زندگی عشق الٰہی اور عشق رسول میں گزری۔ اللہ عزوجل اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر بہت ہی والہانہ انداز سے کرتے اور ہمیشہ اس بات کا خوف رہتا کہ کہیں حقوق اللہ اور حقوق العباد میں کوئی کوتاہی نہ ہوجائے، جس کے سبب کل قیامت میں اللہ عزوجل اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے شرمندہ ہونا پڑے۔

مجاہدے کا یہ عالم تھا کہ بہت ہی کم سوتے۔ اکثر عشا کے وضو سے فجر کی نماز ادا کرتے۔ کثرت سے کلام پاک کی تلاوت کیا کرتے۔ کسی شہر میں پہنچتے تو قبرستان میں قیام کرتے اور جب لوگوں کو ان کی خبر ہوجاتی تو وہاں سے چل دیتے۔ بدن پر برابر فقیرانہ لباس ہوتا۔ اگر وہ کہیں سے پھٹ جاتا تو جس رنگ کا کپڑا ملتا اسی کا پیوند لگا لیتے۔ کھانا بہت کم کھاتے۔ اکثر روزہ رکھا کرتے۔ بعض تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ آپ صائم الدہر تھے۔ سفر میں تیر وکمان، نمکدان اور چقماق ساتھ رکھتے، تاکہ افطار میں کوئی دقت نہ ہو۔

یوں تو تمام صوفیا اور اولیا حلیم وبردبار اور عفوودرگذر کا پیکر ہوتے ہیں لیکن خواجہ رحمۃ اللہ علیہ کی یہ درویشانہ صفت کمال کو پہنچی ہوئی تھی۔ ''یارَبِّ حَبْلِیْ اُمَّتِی'' کی طرز پر اپنے مریدین ومتوسلین کے لیے دعائیں کرتے اور اپنے ہر عمل سے سنت نبوی کا پیغام دیتے۔ پڑوسیوں کا بھی اچھی طرح خیال رکھتے۔ جب کوئی ہمسایہ انتقال کر جاتا تو اس کے جنازے میں شریک ہوتے۔ لوگ واپس لوٹ جاتے لیکن آپ دیر تک اس کی قبر کے پاس دعائیں کرتے رہتے۔ عذاب قبر کا خوف بھی آپ میں حد درجہ تھا، جب کبھی قبر کا ذکر آتا تو چیخیں مار کر رو پڑتے۔

سماع: خواجہ رحمۃ اللہ علیہ سماع کا بھی ذوق رکھتے تھے۔ ان کی محفل سماع میں بڑے بڑے علما اور مشائخ شریک ہوتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ سماع اسرار حق اور معرفت الٰہی حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ سماع میں اللہ اور بندے کے درمیان کے سارے حجابات اٹھتے چلے جاتے ہیں۔ پھر جب بندے پر عشق الٰہی کا غلبہ ہوتا ہے اور اللہ کی ہیبت وخشیت طاری ہوتی ہے تو اس کا قلب انوار وتجلیات سے بھر جاتا ہے اور وہ وجد وسرور کی ایمانی کیفیت سے سرشار نظر آتا ہے۔

تصانیف: بعض لوگوں نے خواجہ رحمۃ اللہ علیہ کی جانب جن تصانیف کو منسوب کیا ہے وہ مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ انیس الارواح ۲۔ گنج اسرار ۳۔ کشف الاسرار
۴۔ دلیل العارفین

اول الذکر تصنیف خواجہ عثمان ہارونی کے ملفوظات پر مشتمل ہے۔ اس میں دیوان معین کے علاوہ کئی مختلف رسالے بھی ہیں جبکہ آخر الذکر تصنیف خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات پر مشتمل ہے، جس میں اخلاق، نماز، روزہ، تلاوت، معرفت کی باتیں اور سلوک کے مقامات وغیرہ کا ذکر مختصر اور جامع طور پر ہے۔

وصال: خواجہ رحمۃ اللہ علیہ عشا کی نماز پڑھ کر اپنے حجرے میں گئے، دروازہ بند کرلیا اور کچھ دیر بعد ایسے پاؤں پٹکنے کی آواز آنے لگی جیسے کوئی وجد وکیف کے عالم میں پٹکتا ہے اور اسی وجد کے عالم میں آخر شب کو ان کی روح پرواز کرگئی اور یوں ''حبیب اللہ، حب اللہ'' کی خاطر جاں بحق ہوگئے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن

مولانا اشتیاق عالم مصباحی

صراط مستقیم

اِھدِنَا الصِّرَاطَ المُستَقِیمَ ۞ صِرَاطَ الَّذِینَ أَنعَمتَ عَلَیہِمۡ غَیرِ المَغضُوبِ عَلَیہِمۡ وَلاَ الضَّآلِّینَ ۞

قرآن اس مقدس کلام خداوندی کا نام ہے جو جملہ انسانیت کے لیے رہتی دنیا تک ہدایت ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''ھدی للناس'' (بقرہ، آیت: ۱۸۵) یہ کسی وقت اور قوم کے ساتھ خاص نہیں۔

قرآن اپنے نزول کے اعتبار سے کسی نہ کسی واقعہ اور مسئلہ کے ساتھ خاص ہے لیکن حکم اور اشارہ جملہ انسانیت کے لیے ہر وقت اور ہر لحہ عام ہے قرآن کی تلاوت کرنے والا ہمہ وقت یہ سوچے کہ کہیں یہ آیت ہم سے مخاطب تو نہیں؟ لیکن افسوس کہ ہم ''قرآن خوانی'' کرتے ہیں اور قرآن فہمی کا تصور بھی کبھی وہم وخیال میں نہیں آتا۔

قرآن خوانی بھی خدا کا فضل ہے جبکہ اہل ایمان کا بیشتر حصہ قرآن خوانی سے بھی محروم ہے۔ اگر ہم خدا کی توفیق سے قرآن سمجھنا بھی چاہتے ہیں تو بس ترجمہ دیکھ لیا اور وعید کی ساری آیتیں کفار ومشرکین کے سر منڈھ دیا، یا پھر یہود و نصاریٰ اور منافقین کے گلے ڈال دیا، کبھی یہ سوچنے کی توفیق بھی نہیں ہوئی کہ وہ صفتیں جو گمراہ قوموں میں موجود تھیں کہیں وہ ہمارے اندر تو نہیں آگئیں۔

صوفیائے کرام جو وارثین انبیا ہیں اور جن کا کام نفس کو پاک کرنا اور دل کی صفائی کرنا ہے وہ ہر آن دنیا والوں کو اپنے عمل کی اچھائی اور برائی کی طرف توجہ دلاتے رہتے ہیں۔ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

''حاملین توریت کی مثال جو توریت پہ عمل نہیں کرتے بوجھ سے لدے ہوئے گدھے کی طرح ہے۔''

(س: جمعہ، آیت: ۵)

کیا یہی حال ہمارا تو نہیں؟ میں سمجھتا ہوں کہ ہماری حالت ان سے بھی بدتر ہے کیوں کہ انھیں توریت کا علم تھا، عمل نہیں کرتے تھے اور ہمارے پاس نہ قرآن کا صحیح طور سے علم ہے اور نہ عمل۔

جیسا کہ ہم نے عرض کیا کہ قرآن عام انسانیت کے لیے ہدایت ہے۔ کفر سے اسلام، شرک سے ایمان اور نافرمانی سے طاعت کی طرف لے جاتا ہے تو پھر ہم اسی مرکز ہدایت (خدا) سے دعا کرتے ہیں کہ تو: ''ہمیں سیدھی راہ چلا جن پر تو نے انعام واحسان کیا نہ کہ ان کا راستہ جن پر تو نے غضب کیا اور جو راہ حق سے بہک گئے۔'' (سورۂ فاتحہ)

بعض لوگوں نے: اِھدِنَا الصِّرَاطَ المُستَقِیمَ ۔ کا معنی ''ہمیں سیدھی راہ دکھا'' کیا ہے۔ حالانکہ اوپر کی آیات اور قواعد میں غور کرنے سے علم ہوتا ہے کہ: ''ہمیں سیدھی راہ چلا'' یہی معنی زیادہ درست ہے، لیکن بعد کی آیت کو دیکھتے ہوئے اراءۃ الطریق یعنی ''ہمیں راہ حق دکھا'' بھی صحیح ہے۔ تفسیر عرائس البیان اور تفسیر ابن کثیر سے بھی یہ معنی معلوم ہوتا ہے۔

متعدد کتب تفاسیر واحادیث میں ہے کہ انبیا ہمیشہ مغفرت کی دعا کرتے تھے، خاص طور سے ہمارے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ روایتوں میں آیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم روزانہ ستّر سے زائد مرتبہ استغفار کرتے تھے بلکہ بعض

روایتوں میں سو(۱۰۰) تک کا بیان آیا ہے۔
مسلم شریف کی حدیث ہے:
قَالَ رَسُوْلُ اللہِ ﷺ یَآاَیُّھَا النَّاس! تُوْبُوْا اِلَی اللہِ فَاِنِّیْ اَتُوْبُ اِلَی اللہِ فِی الْیَوْمِ مِأَۃَ مَرَّۃ۔
(مسلم، باب الاستغفار)

بعض عارفین کہتے ہیں کہ ہر وقت قلب مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر انوار وتجلیات کی بارش ہوتی رہتی ہیں اور ہر لحہ قرب کے ایک مقام سے دوسرے مقام کی جانب ترقی ہوتی رہتی ہے۔ جب قرب کے اعلیٰ مقام کی جانب توجہ ہوتی ہے تو اس کی طرف نسبت کرتے ہوئے نیچے والے مقام سے توبہ واستغفار کرتے ہیں۔ یہی حال نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے واسطے سے آپ کے خاص بندوں (صوفیا) پر ہوتا ہے جو قرب کی ایک منزل سے دوسری منزل کی جانب ترقی کرتے رہتے ہیں۔ جب انھیں ایک مقام حاصل ہو جاتا ہے تو دعا کرتے ہیں کہ مولیٰ! مجھے حق راہ (اراءۃ الطریق) دکھا۔ پھر انھیں وہ مقام مطلوب حاصل ہو جاتا ہے جو (ایصال الی المطلوب) ہے، اسی طرح دوسرے مقامات کی دعا کرتے ہیں جو ''اراءۃ الطریق'' کی منزل ہوتا ہے۔

یہ واضح رہے کہ خدا کے قرب کی کوئی انتہا نہیں۔ وہ وراء الوراء ہے اور اس کی شان کُلَّ یَوْمٍ ھُوَ فِیْ شَان۔ ہے۔

صراط مستقیم:

تخلیق انسانی کا مقصد خالق کائنات کی معرفت ہے۔ بندے کو ہر آن یہی فکر ہونی چاہئے کے میں کیوں پیدا کیا گیا؟ یہ کائنات کیا ہے؟ اور مجھے کیا کرنا چاہیے؟ اس معرفت کا حصول اسی وقت ممکن ہے جب انسان اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے راستے پر چلے۔ سوال یہ ہے کہ وہ راستہ ہے کیا؟ تو اللہ نے راہ نمائی فرمائی اور بتایا کہ سیدھا راستہ وہ ہے جس کے راہی انبیا، صدیقین، شہدا اور صالحین ہیں جنھیں اللہ نے بے بہا انعامات کے ساتھ انوار وتجلیات سے نوازا ہے۔

نبی: اس بشر کو کہتے ہیں جس پر اللہ نے وحی بھیجی ہو۔

صدیق: قرآن نے صدیقین کی تعریف یوں کی ہے:
إِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ آمَنُوْا بِاللهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجَاهَدُوْا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ أُوْلٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُوْنَ﴿۱۵﴾ (حجرات)

یعنی صدیقین وہ لوگ ہیں جو اللہ ورسول پر ایمان لا کر ذرہ برابر شک نہ کریں اور تن من دھن سے اللہ کی راہ میں مسلسل کوشش کرتے ہوں۔

شہید: وہ بشر ہے جو اللہ کے کلمے کی سربلندی کے لیے مسلسل کوششیں کرتا رہے حتی کہ اسی جد جہد میں اپنی جان عزیز کو بھی صرف کردے۔

صالحین: صلاح، فساد کی ضد ہے یعنی ایسے شخص کو صالح کہا جائے گا جس کا عمل صرف اور صرف اللہ کے لیے ہو۔ اس میں ذرہ برابر ریا کا دخل نہ ہو، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''وَمَا أُمِرُوْا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ حُنَفَاءَ۔''
ترجمہ: ان کو صرف یہی حکم دیا گیا ہے کہ وہ اخلاص کے ساتھ اطاعت کریں۔

اب آپ اس طرح بھی کہہ سکتے ہیں کہ جن کا عمل ہر طرح کی خرابی سے پاک ہو اور مقصود صرف اللہ کی رضا ہو وہ صالح ہیں اور جو نفس کی اصلاح کے بعد دوسروں کی اصلاح میں لگ جائیں وہ شہید ہیں اور اس عمل میں جن لوگوں نے تن من دھن کی بھی پرواہ نہ کی وہ صدیقین ہیں، جو مقام مشاہدہ پر متمکن ہیں۔

مزید ان کی وضاحت علامہ صدرالدین روز بہان بقلی رحمۃ اللہ علیہ نے عرائس البیان میں یوں کی ہے:

''انبیا وہ لوگ ہیں جو اللہ کے کلام کو بطریق خاص سنتے ہیں اور صدیق وہ لوگ ہیں جو اللہ کے ساتھ راضی برضا رہتے ہیں اور اس کے نور کے مشاہدے میں ڈوبے ہوتے ہیں اور شہدا وہ لوگ ہیں جو اللہ کی عظمت کے میدان میں اس کی محبت کی تلواروں سے مارے جائیں، جب کہ صالحین وہ لوگ ہیں جو آزمائش کی زنجیروں سے نکل کر جنت، روح اور ریحان کی نعمتوں سے مالا مال رہتے ہیں اور رحمن کے جمال کا مشاہدہ کرتے ہیں۔'' (عرائس البیان، ج:۱،ص:۲۶۰)

اب چوں کہ ظاہری حیات سے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نہیں رہے لیکن مذکورہ تینوں جماعتیں رہتی دنیا تک موجود رہیں گی اور پیغام نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یعنی آیات الٰہیہ کا بیان، تزکیۂ نفس، تصفیۂ قلب اور کتاب وحکمت کی تعلیم کو عام کرتی رہیں گی۔ مومنین کی ہدایت بس اسی میں ہے کہ وہ ان تینوں مقربین کی جماعت سے چمٹ جائیں کیوں کہ یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے احسان کیا ہے اور اسی جماعت کے ساتھ رہنے کی تعلیم بھی دی ہے، ارشاد خداوندی ہے:

''جو میری طرف مائل ہیں ان کے راستے کی پیروی کرو۔'' (سورۂ لقمان، آیت:۱۵)

کیوں کہ اس جماعت کے برخلاف یا تو وہ راستہ ہے جس پر اللہ نے غضب کیا ہے یا اس راستے کا مسافر حق سے بھٹکا ہوا ہے جیسا کہ یہود ونصاریٰ۔

علامہ اسماعیل نے تفسیر ابن کثیر میں لکھا ہے کہ:

''یہودیوں پر اللہ کا غضب اس لیے ہوا کہ وہ علم کے باوجود عمل نہیں کرتے تھے اور نصاریٰ کو علم ہی نہیں تھا اس لیے وہ راہ حق سے بھٹک گئے جب کہ مومنین کا راستہ وہ ہے جو علم وعمل کا جامع ہو۔''

علامہ صدرالدین روزبہان رحمۃ اللہ علیہ نے ''مغضوب اور ضالین'' کے کئی معنی بتائے ہیں، ان میں سے ایک معنی یہ ہے کہ جو باب عبودیت سے الگ ہو گیا ان پر اللہ کا غضب ہے اور جو معرفت الٰہی نہ حاصل کر سکا وہ گمراہ ہے یا جسے اللہ نے دور کر دیا وہ مغضوب ہے اور جو ''وصال الی اللہ'' کی لذت نہ حاصل کر سکا وہ ضال (گمراہ) ہے۔ گویا یوں کہا جائے کہ ایمان انفصال اور وصال کے مجموعے کا نام ہے کہ بندہ خلق سے بلکہ اپنی ذات سے بھی الگ ہو جائے اور محض دیدار مولیٰ کی لذت سے آشنا ہو۔ کیونکہ ایمان خوف وامید کی درمیانی کیفیت کا نام ہے، اللہ نے ارشاد فرمایا:

وَادْعُوهُ خَوْفاً وَّطَمَعًا﴿۵۶﴾ (اعراف)

یعنی اپنے رب کو امید اور خوف کے ساتھ پکارو۔

داعی اسلام شیخ ابوسعید شاہ احسان اللہ محمدی فرماتے ہیں:

''ہمیشہ ۳۶ گروہ مغضوب میں اور ۳۶ ضالین میں ہوں گے اور ہدایت ہمیشہ صراط مستقیم میں ہوگی، یا یوں کہا جائے کہ ۳۶ گروہ ایسے ہوں گے جو عداوت میں گمراہ ہوں گے اور ۳۶ گروہ غلو محبت میں حدود شریعت سے آگے بڑھ جائیں گے جیسا کہ قوم موسیٰ (یہود) نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ایسی عداوت کی کہ نبوت کا انکار ہی نہیں کیا بلکہ تہمت لگانے سے بھی باز نہ آئے اور قوم عیسیٰ (نصاریٰ) کو اپنے نبی عیسیٰ علیہ السلام کی محبت میں ایسا غلو ہوا کہ انھیں اللہ اور ابن اللہ تک کہہ دیا۔ ایسے ہی جو مستحبات کو واجبات کا درجہ دے اور واجبات وفرائض کو ترک کر دے یا کوئی مستحبات کو عداوت میں شرک وکفر سے تعبیر کرے تو عین ممکن ہے کہ وہ یا تو مغضوبین میں سے ہے یا ضالین میں سے۔''

تفسیر ابن کثیر کی عبارت سے بھی یہی اشارہ ملتا ہے گویا ایک افراط اور دوسرا تفریط میں بے راہ ہو گئے۔

خواہ افراط ہو یا تفریط، کمی ہو یا زیادتی، غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان سب کے پیچھے جذبۂ حسد کارفرما ہے۔ حالانکہ ایمان کا تقاضہ اَلْحُبُّ لِلّٰہِ وَالْبُغْضُ لِلّٰہِ ہے نہ کہ لِلْھَوٰی یعنی محبت وعداوت کی بنیاد خواہش نفس نہ ہو بلکہ محض اللہ کے لیے ہو، جیسا کہ رب لم یزل نے ارشاد فرمایا:

وَالَّذِیْنَ آمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہ

ترجمہ: مومنین کو اللہ سے اور اللہ کے لیے شدید محبت ہوتی ہے۔

حسد ایسا پوشیدہ مرض ہے جو انسان کو ادنیٰ اور خسارے کی طرف لے جانے والا ہے۔

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ضرور میری امت پر بنی اسرائیل جیسا ایک زمانہ آئے گا کہ جس میں لوگ اپنی ماؤں کے ساتھ بدکاری کریں گے جیسا کہ بنی اسرائیل کرتے تھے، بنی اسرائیل بہتّر (۷۲) فرقوں میں بٹ گئی اور میری امت تہتّر (۷۳) فرقوں میں بٹ جائے گی جس میں ایک فرقے کے علاوہ سب جہنمی ہوں گے۔

صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! وہ خوش نصیب جماعت کون ہوگی؟ فرمایا جس پر میں ہوں اور میرے صحابہ ہیں۔

(مشکوٰۃ، باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، ص: ۳۰)

قرآن پاک میں ہے: آپ فرما دیں کہ یہ میرا اور میرے ماننے والوں کا راستہ ہے جو کھلے طور پر اللہ کی دعوت دیتے ہیں۔ (سورۂ یوسف، آیت: ۱۰۸)

داعیٔ اسلام شیخ ابوسعید شاہ احسان اللہ محمدی ادام اللہ ظلہ علینا نے اس حدیث پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا:

’’وہ بہتّر (۷۲) جماعت جو گمراہ اور جہنمی ہے وہی جماعت ہوگی جو حسد کے سمندر میں غرق ہوگی جیسا کہ لفظ حسد اپنے اعداد کے اعتبار سے اشارہ کرتا ہے۔ آپ لفظ ’حسد‘ کا عدد نکالیں گے تو مجموعہ عدد بہتّر (۷۲) ہوگا۔‘‘

نتیجہ واضح ہے کہ جنتی کہلانے کا مستحق اور حقیقت میں جنتی وہی شخص ہوگا جو حسد سے خالی ہو، اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا: وَنَزَعْنَا مَا فِیْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ۔ (پ:۸، ع:۱۲)

ترجمہ: اور ہم نے ان کے سینوں میں سے کینے کھینچ لیے۔ (کنزالایمان)

یعنی دنیا میں ان کے درمیان جو حسد وکینہ تھا ہم نے اسے ختم کر کے ان کے دلوں میں محبت والفت ڈال دیا۔ حضرت علی فرماتے ہیں کہ مجھے امید ہے کہ میں اور عثمان، طلحہ اور زبیر ان میں سے ہوں جن کے حق میں اللہ رب العزت نے یہ آیت نازل کی ہے۔

اللہ ہمیں ظاہری نجاستوں کے ساتھ ساتھ حسد وکینہ جیسی باطنی گندگیوں سے بھی پاک کرے۔ (آمین)

لیکن اخیر میں عرض کر دوں کہ ان باطنی امراض کے حکیم حاذق وہی انعام یافتہ گروہ ہے جنہیں صدیقین، شہدا، صوفیا اور صالحین کہا جاتا ہے۔ اگر واقعی جنت کے بدلے اپنی جان ومال کو اللہ سے بیچنے پر یقین ہے تو ہمیں سچوں کی صحبت میں رہنا چاہیے۔ شہدا کی طرح مسلسل اسلام کو اپنے اندر قائم کرنے اور دوسروں تک پہنچانے کی کوشش کرنی چاہیے اور صوفیا سے جلوۂ جمال رحمن سے لطف اندوز ہونے اور اپنی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچانے کا طریقہ سیکھنا چاہیے تاکہ وہ اسلام جو اللہ کو مطلوب ہے وہ ہمارے دلوں میں راسخ ہو جائے۔

+++

محمد تقی عثمانی

نیت سے ثواب حاصل کریں

اللہ تعالیٰ نے یہ دنیا اس لیے پیدا فرمائی ہے کہ اس کے بندے یہاں رہ کر اپنے نیک اعمال کے ذریعے اپنی آخرت کا سامان کریں اور ایسے کام کریں جن سے اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی حاصل ہو۔ لیکن ہم لوگ دنیا کے کاروبار میں لگ کر اس اصلی مقصد سے غافل ہو رہے ہیں۔ ہماری زندگی صبح سے لے کر شام تک اپنی دنیا کو بہتر سے بہتر اور زیادہ سے زیادہ خوشگوار بنانے کی دوڑ دھوپ میں صرف ہو رہی ہے۔ اس دوڑ دھوپ میں بہت کم اللہ کے بندے ایسے ہیں جنھیں اپنی آخرت کو بہتر بنانے کا خیال آتا ہو، حالانکہ یہ بات طے ہے کہ ایک دن اس دنیا سے جانا ہے اور جانے کا وقت بھی کوئی نہیں جانتا، خدا جانے کب بلاوا آجائے۔

اسلام نے آخرت کو بہتر بنانے کے لیے جو طریقے بتائے ہیں حقیقت میں وہ کچھ مشکل نہیں۔ بلکہ اگر انسان ان طریقوں کو اختیار کرلے تو اس کی دنیا بھی پرسکون ہو جاتی ہے اور آخرت بھی سنور جاتی ہے، لیکن آج کل ذہنوں میں یہ بات بیٹھتی جارہی ہے کہ اسلامی تعلیمات پر عمل کرنا ایک مشکل کام ہے جس کے لیے اپنے بہت سے دنیوی مفادات، بہت سی لذتیں اور بہت سا عیش و آرام قربان کرنا پڑتا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ اکثر لوگ اس مشکل کا تصور کر کے اس راہ پر چند قدم چلنا بھی گوارا نہیں کرتے۔

اول تو اسلامی احکام اپنی ذات میں مشکل نہیں ہے اور جو اللہ کا بندہ ان پر عمل کرنا چاہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی مدد بھی ہوتی ہے۔

دوسرے اگر بالفرض کسی حکم پر عمل کرنے میں کچھ مشقت اور دشواری بھی ہو تو وہ دشواری آخرت کی ابدی اور سرمدی فائدوں کے مقابلوں میں کوئی حقیقت نہیں رکھتی۔ آخر ہر انسان روزی کمانے کے لیے محنت کرتا ہے اور اس محنت کو پسند بھی کرتا ہے کیونکہ اسے معلوم ہے کہ اس کے نتیجے میں اسے روزی ملنے والی ہے۔ اسی طرح اگر اسلامی احکام پر عمل کرنے کے نتیجے میں آخرت کی وہ نعمتیں ملنے والی ہیں جن کا اس وقت ہم تصور بھی نہیں کر سکتے تو اس عظیم مقصد کے لیے تھوڑی سی مشقت سے گھبراہٹ کیوں؟

تیسری بات یہ ہے کہ اسلامی احکام اور تعلیمات میں سے کچھ تو ایسے ہیں جن پر عمل کرنے میں تھوڑی بہت محنت کرنی پڑتی ہے لیکن بہت سے اعمال اللہ تعالیٰ نے ایسے بھی بتلائے ہیں جن پر عمل کرنے میں نہ کوئی خاص محنت کرنی پڑتی اور نہ بہت سا وقت صرف ہوتا ہے۔ بس ذرا دھیان دینے کی بات ہے۔

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جن کو ان نیکیوں کی اجر و قیمت معلوم تھی۔ وہ ان نیک کاموں کے حریص تھے۔ جہاں جس کسی عمل کے بارے میں معلوم ہوا کہ اس سے اللہ کی رضا حاصل ہوتی ہے، فوراً اس پر عمل شروع کر دیتے اور جس عمل کا ثواب ہونا انہیں دیر سے معلوم ہوتا اس پر اظہار افسوس کرتے کہ یہ بات ہمیں پہلے کیوں معلوم نہ ہوئی۔

حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کو جب حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث سنائی کہ جو شخص کسی جنازے کی نماز میں شریک ہو، اس کو ایک قیراط (ایک ایسا پیمانہ ہے جس سے سونے چاندی تولے جاتے ہیں) ثواب ملتا ہے اور جو میت کے دفن ہونے تک جنازے کے پیچھے جائے اسے دو قیراط ملتے ہیں جن میں سے ایک احد پہاڑ کے برابر ہوتا ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بیساختہ فرمایا کہ ہم نے بہت سے قیراط بلاوجہ ضائع کر دیے۔ (ترمذی)

غرض کہ ہر وہ نیک کام جو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کا سبب بنے قابل قدر ہے اور خاص کر ایسے نیک کام جنھیں انجام دینے میں کوئی مشقت نہیں ہوتی، انھیں صرف بے پروائی اور غفلت کی وجہ سے چھوڑ دینا تو اتنے گھاٹے کا سودا ہے کہ آخرت میں اس کی حسرت نا قابل برداشت ہوگی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

تمام اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔

بعض لوگ اس کا مطلب یہ سمجھتے ہیں کہ اچھی نیت سے غلط کام بھی ٹھیک ہو جاتا ہے اور گناہ بھی ثواب بن جاتا ہے، یہ بات قطعی غلط ہے۔ گناہ ہر حال میں گناہ ہے، کتنی ہی اچھی نیت سے کیا جائے وہ جائز نہیں ہوسکتا۔ مثال کے طور پر کوئی شخص اس نیت سے چوری کرے کہ جو مال حاصل ہوگا وہ صدقہ کروں گا تو اس کی نیت کی وجہ سے چوری کا گناہ معاف نہیں ہوگا۔

لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کو بغور دیکھیں تو اس کا ایک مطلب یہ نکلتا ہے کہ کسی بھی نیک کام پر اس وقت تک ثواب نہیں ملتا جب تک وہ صحیح نیت کے ساتھ نہ کیا جائے، جیسے نماز کا ثواب بھی اسی وقت ملے گا جب وہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے پڑھی جائے۔ اگر دکھاوے کے لیے نماز پڑھی تو ثواب غارت ہو جائے گا بلکہ الٹا گناہ ہوگا۔

دوسرا مطلب جو ہمارا مقصود بھی ہے، یہ ہے کہ جتنے کام مباح یا جائز ہیں ان کا اصل حکم تو یہ ہے کہ ان پر نہ ثواب ہوتا ہے نہ عذاب۔ لیکن اگر وہ جائز کام کسی اچھی نیت سے کیے جائیں تو عبادت بن جاتے ہیں اور ان پر ثواب ملتا ہے۔ مثلاً کھانا کھانا مباحات میں سے ہے لیکن اگر کوئی کھانا اس نیت سے کھائے کہ اس کے ذریعے میرے جسم کو قوت حاصل ہوگی اور اس قوت کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں صرف کروں گا تو اس کا کھانا کھانا بھی باعث اجر و ثواب ہوگا، یا اس نیت سے کھانا کھائے کہ اللہ تعالیٰ نے میرے نفس کا بھی مجھ پر حق رکھا ہے، اس کی ادائیگی کے لیے کھانا کھاتا ہوں، یا اس نیت سے کھائے کہ اس سے لذت وراحت حاصل ہوگی تو دل سے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کروں گا تو ان نیتوں کے ساتھ کھانا کھانے میں بھی ثواب ہوگا۔

غرض زندگی کا کوئی مباح کام ایسا نہیں ہے جس کو اچھی نیت کر کے عبادت اور موجب ثواب نہ بنایا جا سکتا ہو۔ اچھی نیتوں کی چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں:

☆ روزی کمانا خواہ تجارت کی شکل میں ہو یا ملازمت کی شکل میں یا زراعت وصنعت کی شکل میں۔ اس میں اگر انسان یہ نیت کر لے کہ اللہ تعالیٰ نے میرے ذمے جو میرے نفس اور میرے گھر والوں کے حقوق عائد کیے ہیں یہ کمائی اس کے لیے کر رہا ہوں کہ وہ حقوق ٹھیک ٹھیک ادا کرسکوں تو حلال روزی کمانے کی یہ ساری کارروائی عبادت اور ثواب بن جائے گی۔ پھر اس میں یہ نیت بھی کر لے کہ اپنی آمدنی کو اپنی اور اپنے گھر والوں کی ضروریات پر خرچ کرنے کے بعد جو

کچھ بچے گا اس میں سے غریبوں کی امداد اور دوسرے نیک کاموں پر خرچ کروں گا تو اس نیت سے مزید ثواب ملے گا۔

☆ اگر ایک شخص ابھی تعلیم حاصل کر رہا ہے اور وہ یہ نیت کر لے کہ میں اس علم کے ذریعے خدمت خلق کروں گا، مثلاً: کوئی علم دین حاصل کر رہا ہے تو مخلوق کو دین پہنچانے کی نیت کر لے۔ میڈیکل سائنس کا طالب علم ہے تو یہ نیت کر لے کہ ڈاکٹر کے ذریعے مریضوں کی خدمت کروں گا۔ انجینئرنگ کا طالب علم ہے تو یہ نیت کر لے کہ میں اس فن سے ملک وقوم کی خدمت کروں گا۔ کوئی اور ہنر سیکھ رہا ہے تو اس غرض سے سیکھے کہ جو لوگ اس ہنر کے ضرورت مند ہوں گے ان کی حاجت پوری کروں گا تو ان شاء اللہ جتنا وقت وہ تعلیم حاصل کرنے میں گزارے گا اس کو اس نیت کا ثواب ملتا رہے گا۔

☆ پھر انسان جو بھی پیشہ اختیار کرے اس میں یہ سوچے کہ رزق کا ذمہ تو اللہ تعالیٰ نے لے رکھا ہے، کسی نہ کسی صورت میں ضرور ملے گا اور اس کو حاصل کرنے کے بہت سے راستے ہیں لیکن میں فلاں راستہ اس لیے اختیار کر رہا ہوں کہ اس کے ذریعے مخلوق خدا کی خدمت کروں تو یہ پیشہ بھی باعث اجر ہو جائے گا۔

چنانچہ کوئی شخص ڈاکٹر بنتا ہے تو یہ نیت کر لے کہ رزق کے بہت سے راستوں میں سے یہ راستہ میں نے اس لیے منتخب کیا ہے کہ اس کے ذریعے تکلیف میں مبتلا لوگوں کی مدد ہوگی تو خواہ وہ مریضوں سے جائز اور مناسب اجرت اصول کرے تب بھی اس نیت کا ثواب ملے گا۔ کوئی شخص کپڑوں کی تجارت کرنا چاہتا ہے وہ یہ نیت کر لے کہ ہر انسان کے ذمے شرعاً لباس پہننا واجب ہے میں یہ پیشہ اس لیے اختیار کر رہا ہوں کہ اس کے ذریعے مخلوق کو اس واجب کی ادائیگی میں مدد دوں گا تو یہ پیشہ بھی باعث اجر ہوگا۔

اگر کوئی شخص سرکاری ملازم ہے تو اپنی ملازمت میں یہ نیت کر لے کہ اس کے ذریعے مخلوق کی ضروریات کو پوری کرنے کا موقع ملے گا تو خواہ وہ تنخواہ لے رہا ہو اس نیت کا ثواب اسے ملے گا۔

بعینہ اچھا لباس اس لیے پہنے کہ اللہ نے مجھے جو نعمت دی ہے اس کا اثر نظر آئے اور دیکھنے والوں کو فرحت کا احساس ہو۔ اپنے بچوں سے اس نیت کے ساتھ محبت کیا جائے کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ گھر کا کام اس نیت سے کیا جائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب گھر تشریف لاتے تو گھر کے کاموں میں ہاتھ بٹایا کرتے تھے۔ بیوی بچوں سے خوش طبعی کی باتیں اس نیت سے کی جائیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا ہے۔ مہمانوں کی خاطر مدارات اس نیت سے کیے جائیں کہ مہمانوں کا اکرام سنت نبوی اور مومن کے حقوق میں سے ہے۔ گھر میں کوئی پودا اس نیت سے لگائے کہ اس سے کسی جانور کو فائدہ پہنچے گا یا اس کے سائے سے لوگ فائدہ اٹھائیں گے۔ عورت جائز زیب وزینت اس نیت سے کرے کہ شوہر کو خوشی حاصل ہوگی اور مرد اس نیت سے صاف ستھرا رہے کہ بیوی کو مسرت اور راحت ملے گی، نیز جائز تفریحات اس غرض سے کیے جائیں کہ اس سے فرائض کی ادائیگی میں پھرتی اور نشاط پیدا ہوگا۔

یہ تمام اعمال باوجود کہ مباحات میں شامل ہیں لیکن اچھی نیت کے سبب انھیں بھی عبادت بنایا جا سکتا ہے اور اجر وثواب کا حقدار بنا جا سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو اس عمل کی توفیق بخشے۔ (آمین)

+++

جہاں گیر حسن مصباحی

دعوت اور عام زندگی

دعوت ایک غیر معمولی عمل ہے جس کو آج کچھ نا سمجھ لوگوں نے معمولی اور آسان سمجھ لیا ہے، جبکہ دعوت ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں۔ دعوت ایک خدائی فرمان اور انبیائی عمل ہے جو اس فریضہ کو انجام دینے والوں کے اندر ایمانی، روحانی اور عرفانی جذبہ چاہتا ہے، اخلاص چاہتا ہے، ہمدردی چاہتا ہے اور غربا پروری چاہتا ہے۔ اس کے بغیر نہ تو دعوت کا حق ادا کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی دعوت کی اس روحانی تاثیر اور ایمانی اثر کو برقرار رکھا جاسکتا ہے جو دعوت کا اصل مقصد ہے۔ اس عمل کے لیے اللہ تبارک وتعالی ہمیشہ سے اپنے محبوب بندوں کا انتخاب فرماتا رہا ہے، جنھوں نے اپنے اس دعوتی عمل سے ملک وسماج اور انسانی زندگی میں ایک عظیم انقلاب برپا کیا ہے۔ حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام کی پیدائش سے ہی اس انقلابی عمل کا رواج پڑ چکا تھا جس کا سلسلہ مختلف انبیا و مرسلین علیہم الصلاۃ والتسلیم سے ہوتا ہوا، آج کے برگزیدہ اور نیک بندوں تک پہنچا ہے۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ دعوت کے اندر اس قدر انقلاب پیدا کرنے کی صلاحیت ہے تو موجودہ زمانے میں اس کا مظاہرہ کیوں نہیں ہو پا رہا ہے اور مسلمانوں پر اس دعوت کا کچھ اثر کیوں نہیں ہوتا، جبکہ آج بھی اس دعوت کا عمل جاری ہے؟

اس کا پہلا جواب یہ ہے کہ آج کل دعوت، دعوت محض بن کر رہ گئی ہے اور اس کے اندر کی روحانی تاثیر کو نکال کر باہر کر دیا گیا ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ دعوت دینے والے تو ہیں مگر ان کے دلوں میں وہ جذبہ، وہ اخلاص اور وہ یقین نہیں ہے جو ہونا چاہیے۔ ان کے اندر علم ہے تو عمل نہیں اور عمل ہے تو علم نہیں۔ نہ تو وہ دعوت کے مزاج سے واقف ہیں اور نہ ہی جن کو وہ دعوت دے رہے ہیں ان کے حال سے آگاہ ہیں۔ بجائے اس کے کہ وہ پہلے اپنے آپ کو منوائیں، اپنی باتوں کو منوانے پر تلے ہوئے ہیں۔ الغرض ان کے کہنے اور کرنے میں زمین آسمان کا فرق نظر آتا ہے۔ سیدھے لفظوں میں کہا جائے تو وہ حق وصداقت کی تبلیغ کم اور اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد کا پرچار زیادہ کرتے ہیں۔

چنانچہ سب سے پہلے دعوت کا مزاج اور اس کی ذمے داری کو سمجھنا ہوگا تبھی جا کر دعوت سے انقلابی عمل لیا جاسکتا ہے ورنہ نہیں اور اس کے لیے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی کو نگاہوں میں رکھنا ہی کافی ہے۔ اس میں کوئی دو رائے نہیں کہ خاتم الانبیاء، سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ اللہ کے نزدیک کوئی محبوب ومقبول نہیں، نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کوئی عابد وزاہد ہے اور نہ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ انسانیت کا ہمدرد وغمگسار ہے۔ پھر کیا وجہ تھی کہ خداوند قدوس نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا میں مبعوث فرماتے ہی دعوت کا حکم نہ فرمایا اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب کامل چالیس سال تک انسانی معاشرے میں زندگی گذار لیا، تب جا کر حکم دیا کہ اے محبوب! اب

انسانوں کو اپنی رسالت اور ایک خدا کی دعوت دیجئے۔

ذرا سا غور فرمائیں تو یہ بات بالکل صاف ہوجائے گی کہ خالق کائنات نے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت اور ذات کو عربوں کے درمیان منوایا۔ ان کے اخلاق حسنہ، عفت و پاکدامنی اور امین و صادق ہونے کی گواہی دلوائی۔ ہر چھوٹے بڑے کے دلوں میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت ومحبت کا سکہ بٹھایا اور پھر جب اپنے اور بیگانوں نے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر جہت بشری سے تسلیم کرلیا تو حکم خداوندی ہوا کہ اب دعوت وتبلیغ کا عمل شروع کیا جائے۔ لہٰذا عرب قوم کے اندر جو ایمانی، سماجی اور اخلاقی انقلاب پیدا ہوا، اس کے پیچھے اسی دعوت کا مکمل عمل دخل تھا جس نے ایک جنگجو اور لڑاکا قوم کو امن وآشتی کا پیامبر بنا کر دم لیا اور دنیا نے دیکھا کہ ایک وحشی قوم جس کو انسانیت کے خانے میں معمولی جگہ بھی بڑی مشکل سے دی جاتی تھی، اس نے پوری انسانیت کی مسیحائی کا فریضہ انجام دیا۔

پھر جب اسلام کا زمانہ آیا اور دعوت کا دامن وسیع ہونے لگا تو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ کے لیے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو ہر چہار جانب بھیجنا شروع کیا اور حق وصداقت کی دعوت عام سے عام تر ہونے لگی، لیکن یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے اصحاب کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کو دعوتی عمل کے لیے تربیت دی۔ انھیں دعوت کے ہر طور وطریقے سے آگاہ فرمایا، اب وہ چاہے زبان مبارک سے ہو یا عمل صالح کے ذریعے۔ پھر صحابۂ کرام میں سے ان ہی نفوس قدسیہ کا انتخاب فرمایا جو دعوت کے لیے زیادہ موزوں ثابت ہوسکتے تھے، جو نہ صرف علم وعمل کے سمندر تھے، بلکہ عام سے عام انسانوں کو سمجھانے کی عمدہ صلاحیت بھی رکھتے تھے۔ بالخصوص جن علاقوں اور جن ملکوں میں اصحاب کرام رضی اللہ عنہم بھیجے جاتے تو اس بات کا ضرور خیال رکھا جاتا تھا کہ وہ ان علاقے کی بودوباش، عوامی بول چال اور تہذیب وتمدن سے آگاہ ہوں، تاکہ دعوت کے فریضے کو کامل طور سے انجام دیا جاسکے۔ اکثر تو ایسا بھی ہوتا تھا کہ جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جس علاقے سے تعلق رکھتے تھے انھیں اسی علاقے میں دعوت وتبلیغ پر بحال فرمادیا کرتے تھے۔

خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے عہد میں بھی یہی طریقہ رائج رہا کہ یہ حضرات ہر پل اور ہر لمحہ دعوتی فرائض انجام دیتے رہے۔ خانگی زندگی ہو چاہے معاشرتی زندگی، کسی بھی وقت غافل نہیں رہے۔ پھر تابعین اور تبع تابعین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے اس عمل کو آگے بڑھایا اور سیاست سے لے کر معاشرت تک تمام شعبوں میں دعوت کا پرچم بلند کرنے سے یک سرمو بھی انحراف نہیں کیا، بلکہ کچھ نیک بندے تو دنیاوی معاملات میں مشغول رہے اور بڑی خوبی سے دعوتی فریضہ بھی ادا کرتے رہے۔ خود امام اعظم رضی اللہ عنہ نے تجارت کے بہانے دعوت کا جو آفاقی فریضہ ادا کیا ہے، وہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہے۔

ایک زمانہ وہ بھی آیا جب صوفیائے کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کی جماعت نے دعوت کے فریضے کو بحسن وخوبی انجام دینا شروع کیا اور اس کے ذریعے انسانوں کے دل ودماغ میں ایمانی، روحانی اور ہمدردی کا انمول جذبہ پیدا کرنے کی ہر ممکن کوشش کرتے رہے جو آج بھی جاری وساری ہے۔ ان کے اس عمل سے انسانوں کا تاریک دل اور بے یقینی کا شکار دماغ

مذہب کے لیے مضبوط تر ہوا۔

صوفیائے کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے معمولات سے واضح ہوتا ہے کہ ان برگزیدہ بندوں نے زندگی کے تمام شعبوں میں دعوت کی روشنی بکھیرنے کا کام کیا ہے اور حسن معاملات کی ترغیب دی ہے۔ کچھ اللہ والوں نے عوام میں گھل مل کر اس فریضہ کو پورا کیا ہے، تو کچھ بزرگوں نے حکومت میں گھس کر حکمرانوں کو حق وصداقت کی دعوت دی ہے اور اپنے حسن عمل سے انھیں رعایا کی حق تلفی اور ان کے خون ناحق سے باز رکھا ہے، یہاں تک کہ کچھ نیک بندوں نے تو افواج میں شامل ہو کر بھی دعوت کا بے مثال نمونہ پیش کیا ہے۔

اس سے جہاں دعوت کی عظمت کا احساس ہوتا ہے وہیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ دعوت کا عمل محض مدرسے، مساجد اور مذہبی اداروں میں رہ کر ہی نہیں پورا ہوسکتا ہے بلکہ انسانی زندگی کے تمام شعبوں میں رہ کر بھی اس کو بخوبی پورا کیا جاسکتا ہے۔ چاہے اسکول کا آفس ہو، چاہے فیکٹری کا دفتر، ایوان عدالت ہو یا ایوان پارلیمنٹ، بازار کی دوکان ہو یا گاؤں محلے کا کھیت کھلیان، شہر کی بھاگتی دوڑتی زندگی ہو یا پھر دیہات کی الہڑ زندگی، ہر جگہ اور ہر ماحول میں دعوت کی روحانی خوشبو پھیلائی جاسکتی ہے، بشرطیکہ دعوت کی روحانیت سے داعی کا دل سرشار ہو، ہمہ گیر پیغام سے اس کا دماغ لبریز ہو، بَلِّغُوْا عَنِّیْ وَلَوْ آیَةً کے جذبے سے اس کا قلب پر جوش ہو، اور اس کی زندگی لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَالَا تَفْعَلُوْنَ۔ کی عملی تفسیر ہو۔

بالخصوص آج اس مطلبی اور خود غرض دنیا میں، جب ہر طرف انسانیت سسک رہی ہے۔ مروت و ہمدردی کا خاتمہ ہو چکا ہے۔ اخلاقی بے راہ روی اور بے حیائی حد سے بڑھ گئی ہے۔ حلال وحرام کی ہر تمیز مٹتی جارہی ہے، ایسے میں دعوت کی ضرورت شدید ہوجاتی ہے۔ اس لیے اولاً تو یہ بات ذہن میں رکھنی ہوگی کہ دعوت کی ذمہ داری ہر مسلمان پر عائد ہوتی ہے۔ پھر اس فریضے کو بہتر طور پر ادا کرنے کے لیے اسے اپنے اندر وہ صالح فکر، پاکیزہ خیالات اور اخلاص وللّٰہیت والا جذبہ پیدا کرنا ہوگا جو انبیا ومرسلین، صدیقین وصالحین اور اولیائے کاملین کی صحبت میں رہ کر حاصل ہوتا ہے۔

انبیا ومرسلین کا سلسلہ تو موقوف ہوچکا ہے۔ صحابہ، تابعین، تبع تابعین کا زمانہ بھی اب نہیں رہا، لیکن اولیائے کرام اور صوفیائے عظام کے روحانی اور عرفانی فیض کا دریا آج بھی رواں ہے اور تا قیامت جاری رہے گا۔ پس آج کا ہر وہ جوان جو زندگی کے موڑ پر اچھے برے حالات سے ہمیشہ دو چار ہوتا رہتا ہے، اس کے لیے ضروری ہے کہ ایسی نیک و برگزیدہ شخصیات اور درویش صفت نفوس قدسیہ کی صحبت اختیار کرے، کیونکہ ان بزرگوں کی روحانی صحبت میں بیٹھنے سے نہ صرف دل کی گندگیاں دور ہوجاتی ہیں اور نفس کی پاکیزگی حاصل ہوتی ہے، بلکہ عام زندگی سے لے کر کاروباری لین دین میں بھی ایمانداری اور سچائی کی تحریک ملتی ہے۔ اس طرح دعوت کا جو آفاقی تصور انبیا ومرسلین، سلف صالحین اور اولیائے کاملین نے دیا ہے، اسے کافی حد تک زندگی کے تمام شعبوں میں پیش کیا جاسکتا ہے۔ اگر ایسا ہوگیا تو یقینی طور پر کہا جاسکتا ہے کہ یہ دعوتی عمل آج بھی اس بدعنوان ملک وسماج میں حقانی، ایمانی، اخلاقی اور اصلاحی انقلاب کا ایک پیش خیمہ ثابت ہوگا۔

+++

رفعت رضا نوری

نفس کی پاکیزگی

اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام کو اس دنیا میں اس لیے مبعوث فرمایا تا کہ وہ انسانی سماج کی اصلاح وتربیت، دلوں کی صفائی اور اخلاق وکردار کو سنواریں۔ ایسی تعلیم دیں جس سے اللہ کی پہچان کی جا سکے۔ ایسی پاکیزہ چیزیں اور حکیمانہ باتیں بتائیں جن سے ایمان وایقان کو مضبوط کیا جا سکے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن حکیم میں فرمایا ہے:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ إِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ أَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ آيَاتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلَالٍ مُّبِيْنٍ۔ (آل عمران: ۱۶۴)

ترجمہ: اللہ تبارک وتعالیٰ نے مومنوں پر یہ احسان فرمایا کہ انھیں میں سے ایک رسول مبعوث فرمایا جو ان پر اللہ کی آیتیں تلاوت کرتے ہیں، ان کے دلوں کو پاک کرتے ہیں اور انھیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتے ہیں جب کہ وہ لوگ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے انسانی نفوس کو پاک وصاف اور ان کے سینوں کو علم وحکمت سے پر کرنے کے لیے انبیا علیہم السلام کو مبعوث فرمایا جنھوں نے اس ذمے داری کو نبھایا اور دین کو اپنے زمانے میں ہر طرف پھیلانے کی کوشش کی۔ انبیا علیہم السلام کے بعد اس کام کو ان کے حواری اور ان کے ماننے والوں نے آگے بڑھایا اور عام مخلوق کی ہدایت کے ساتھ انھیں سیدھا راستہ دکھانے کا فریضہ انجام دیا۔ یہ لوگ نہ صرف انبیا ومرسلین علیہم السلام کی حیات میں ان کے مددگار ومعاون رہے بلکہ ان کے پردہ فرما جانے کے بعد بھی ان کے مبارک عمل کو رکنے نہ دیا۔ خود اصحاب کرام رضی اللہ عنہم نے بڑے پیمانے پر رشد وہدایت کا فریضہ ادا کیا، جس کے سبب انھیں اصلاح وتربیت اور ہدایت کا خزانہ قرار دیا گیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں، ان میں تم جس کسی کی پیروی کروگے، کبھی گمراہ نہیں ہوگے۔ ان میں ہر ایک سے ہدایت واصلاح کی روشنی حاصل کی جا سکتی ہے۔

صحابہ کرام کے بعد اس فریضے کو ہر دور میں اللہ کے نیک بندے انجام دیتے رہیں، جو آج بھی جاری ہے اور قیامت تک ایسے صالحین ونیک بندوں کی جماعت پیدا ہوتی رہے گی جن سے اصلاح وتربیت کا نظام چلتا رہے گا اور ان کے روحانی فیضان سے دلوں کی مردہ زمینیں سیراب ہوتی رہیں گی۔

اللہ قادر مطلق ہے، وہ مخلوق کے تزکیہ وتطہیر کے لیے کسی بھی بندے کو مقرر کر سکتا ہے جس کی پہچان یہ ہوگی کہ وہ مومن، عاقل اور پابند شریعت ہونے کے ساتھ ساتھ اللہ سے زیادہ محبت کرنے والا ہوگا۔ وہ اپنی جان و مال دونوں کو قربان کر کے اللہ کا قرب حاصل کرنے میں مصروف ہوگا۔ وہ اطاعت وفرمانبرداری کا پیکر ہوگا۔ ان کا قلب محبت الٰہی اور عشق نبی سے سرشار ہوگا۔ اس کی صحبت میں بیٹھنے سے خدا یاد آئے گا، ان کی صبح اور شام ذکر الٰہی اور فکر آخرت میں گذر رہی ہوگی۔ ان کی راتیں قیام وسجود میں بیت رہی ہوں گی۔ وہ رب تعالیٰ سے ملاقات کے لیے سراپا مشتاق ہوں گے۔ ان کی آنکھیں نور الٰہی سے روشن اور دل معرفت الٰہی سے معمور ہوگا

اور وہ مخلوقات کی تکلیفوں کو دیکھ کر تڑپ اٹھتے ہوں گے۔ اگر ایسا عارف، ایسا ذاکر اور ایسا انسانی خدمت گار، مردِ خدا مل جائے تو بلا کسی چوں چرا کے اپنا سر اس کے قدموں پہ ڈال دینا چاہیے، کیوں کہ ظاہری اور باطنی گناہوں سے بچنے کے لیے اور نفس وشیطان کی فریب کاریوں سے محفوظ رہنے کے لیے، اللہ تعالیٰ نے ایسے ہی نیک بندوں کے ساتھ رہنے اور ان کی صحبت سے فیض حاصل کرنے کا حکم دیا ہے، اللہ تعالیٰ فرمایا:

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ﴿۲۸﴾ (کہف)

یعنی ایسے پاک لوگوں کے ساتھ رہا کر جو صبح وشام اپنے رب کو پکارتے رہتے ہیں اور صرف اس کی رضا کے طلب گار رہتے ہیں اور اپنی نگاہوں کو ان سے مت ہٹا، کیا ان خاصان خدا سے نظر پھیر کے تو دنیاوی زندگی کی زینت چاہتا ہے؟

یہ وہ بندے ہیں جنھوں نے اپنے کو اللہ کے حوالے کر دیا تو اللہ بھی ان کا ہو گیا۔ ایسے پاک نفوس کی بارگاہ میں ایک لمحہ کی بھی صحبت مل جائے تو غنیمت سمجھنی چاہیے، کیوں کہ وہ لمحہ غرور سے پاک اور صرف اللہ کے لیے ہوتا ہے: ع

گذر کسی کا یہاں نہیں ہے   قسم خدا کی کہ تو ہی تو ہے

جن کی صحبت میں بیٹھنے والوں کو یہ فضیلت دی گئی کہ:

هُمُ الْقَوْمُ لَا يَشْقٰى بِهِمْ جَلِيْسُهُمْ۔

یعنی یہ وہ لوگ ہیں جن کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے والے بدبخت اور سخت دل نہیں ہوتے، بلکہ ان کی صحبت میں بدبختی اور سخت دلی دور ہو جاتی ہے۔ نفس کو پاکیزگی حاصل ہوتی ہے۔ مردہ دل زندہ ہو جاتے ہیں اور جسم کے تمام اعضا پر اللہ کا قبضہ ہوتا جاتا ہے: ـ

جس کی صحبت میں گنہگار و شقی
آ کے ہو جاتے ہیں ابدال و ولی

تزکیۂ باطن اور اصلاح نفس کی معنویت ہر شخص کے سامنے روز روشن کی طرح عیاں ہے۔ اگر وہ اپنے آپ کا جائزہ لیتا ہے اور اپنے باطن میں جھانکتا ہے تو واضح ہوتا ہے کہ اس کا دل صاف نہیں ہے۔ اس کے دل پر گناہوں کا غبار جما ہوا ہے۔ وہ خواہشات نفس کا غلام ہو چکا ہے۔ وہ دنیا کا حریص ہو گیا ہے۔ اس کے حرکات وسکنات اور ذہنی وقلبی میلان سیدھے راستے سے ہٹے ہوئے ہیں۔ اسے جب بھی ذرا فراخی اور آسانی ملتی ہے تو غرور وتکبر میں مبتلا ہو جاتا ہے اور جب ذرا سی تنگی اور آزمائش آجاتی ہے تو وہ مرجھا جاتا ہے اور ناامید ہو جاتا ہے۔ الغرض آج نہ نگاہوں میں شوخی ہے نہ دل میں درد۔ نہ روح میں سوز ہے اور نہ گفتگو میں ساز۔ گویا زندگی تو ہے لیکن زندہ دلی نہیں۔ آج کی مادی دنیا میں ''کماؤ، کھاؤ اور عیش کرو'' زندگی کا مقصد بن گیا ہے۔ کیا واقعی یہی حیات انسانی کے اعلیٰ مقاصد ہیں؟

بدل گیا ہے جو اپنی حیات کا مقصد
بھٹک رہی ہے سر راہ زندگی کیسی

یاد رکھیے! اگر انسان نے اپنے اندر سدھار پیدا نہ کی تو اللہ کے فرمان: ''وہ جانوروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بدتر۔'' اور ''جس نے اپنی خواہش کی پیروی کی اس کا معاملہ حد سے بڑھ گیا۔'' کے خانے میں وہ داخل ہو جائے گا اور اگر ایسا ہوا تو داستان زندگی کا ایک ایک حرف حیات ابدی کے دفتر سے مٹا دیا جائے گا: ـ

جس نے غفلت میں گذاری زندگی   آخرش ہوگی اسے افسردگی
خواب غفلت سے اٹھ اے مرد خدا   تاکہ حاصل ہو تجھے فضل خدا

+++

ابرار رضا مصباحی

حجۃ الوداع

پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جتنے ارشادات اور خطبات ہیں سب فطری تقاضوں اور دینی و دنیاوی ضابطوں سے پُر ہیں اور بلا تفریق مذاہب پوری دنیائے انسانیت کی خیر و فلاح کے لیے روشن پیغام اور رہنما اصول ہیں۔ رسول اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی حیات مقدسہ کے آخری دور میں حج کے موقع پر ایک تاریخی خطبہ فرمایا جو 'حجۃ الوداع' کے نام سے مشہور ہے۔ آپ کا یہ انمول خطبہ انتہائی فصیح و بلیغ اور سادہ و سلیس زبان میں ہونے کے ساتھ، مقصد انسانی، تعلیمات اسلامی اور احکام قرآنی کا بہترین خلاصہ اور عمدہ تفسیر ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حمد وثنا بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

- اے لوگو! غور سے سنو! بخدا مجھے معلوم نہیں کہ آج کے بعد اس جگہ تم سے مل سکوں گا یا نہیں۔ پس اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحمت کرے جس نے آج کے دن میری باتیں سنیں اور انھیں یاد کیا، کیوں کہ بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں جنھیں سمجھداری کی باتیں یاد تو ہوتی ہیں لیکن انھیں ان کی سمجھ حاصل نہیں ہوتی اور بہت سے لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو سمجھداری کی باتوں کو یاد کر کے ایسے لوگوں تک پہنچا دیتے ہیں جو ان سے زیادہ سمجھدار ہوتے ہیں۔

(الکفایہ فی علم الروایہ، ص:۱۹۰)

- اے لوگو! میں تم میں دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں کہ جب تک تم ان کا دامن تھامے رہو گے کبھی گمراہ نہ ہوگے۔ ایک اللہ کی کتاب اور دوسری اس کے پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت۔

(سیرۃ النبویہ، جلد:۶، ص:۱۰)

- آگاہ رہو! ان چار باتوں سے بچنا۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا۔ خدا کی حرام کردہ کسی جان کو ناحق قتل نہ کرنا۔ زنا نہ کرنا اور چوری نہ کرنا۔ (مسند احمد، ص:۱۸۲۲۰)
- اے لوگو! تمھارا رب ایک ہے اور تمھارا باپ بھی ایک۔ آگاہ رہو! کسی عربی کو کسی عجمی پر، کسی عجمی کو کسی عربی پر، کسی سفید فام کو کسی سیاہ فام پر اور کسی سیاہ فام کو کسی سفید فام پر کوئی فضیلت نہیں، فضیلت کا معیار صرف تقویٰ ہے۔ تم میں سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ عزت کا مستحق وہ ہے جو شریعت کا زیادہ پابند ہے۔

(شعب الایمان، ص:۷ ۵۱۳)

- تمھارے خون اور مال اور آبرو تم پر اس دن اور اس مہینے کی مانند حرام ہیں، اُس دن تک جب تم اپنے رب کے سامنے پیش ہوگے، حتی کہ اگر کوئی مسلمان کسی مسلمان کو ناجائز طور پر اذیت پہنچانے کے لیے دھکا بھی دیتا ہے تو وہ بھی حرام ہے۔ (مسند البزار، ص:۳۷۵۲)
- دینے والے کا ہاتھ اوپر ہوتا ہے۔ پہلے اپنے ماں باپ اور بہن بھائیوں پر خرچ کرو پھر درجہ بدرجہ اپنے قریبی رشتہ داروں پر۔ (معجم الشیوخ، ص:۳۱)
- کوئی بھی زیادتی کرنے والا اس کا خمیازہ خود ہی بھگتے

گا۔سنو! نہ باپ کی زیادتی کا بدلہ اس کے بیٹے سے لیا جائے اور نہ بیٹے کی زیادتی کا بدلہ اس کے باپ سے۔

(ترمذی،ص:۳۰۱۲)

حجۃ الوداع کے یہ نکات انتہائی بصیرت افروز ہیں اور نہ صرف امت مسلمہ کے لیے نظام زندگی کا بہترین دستور ہیں، بلکہ دیگر قوموں کے لیے بھی عظیم نسخے ہیں۔حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مذکورہ خطبے کا بغور جائزہ لیں تو اس کے ہر جملے میں انسانی ہمدردی، دینی و مذہبی خیر خواہی اور سیاسی و سماجی امور کی رہنمائی کے واضح اثرات نظر آئیں گے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عام انسانی زندگی سے لے کر خاص زندگی تک کی رہنمائی کا سچا نمونہ پیش کیا ہے۔قرآن وسنت پر عمل کی ترغیب دی ہے۔ اللہ سے نہ ٹوٹنے والا ایک سلسلہ قائم کر دیا ہے۔ زنا اور چوری جیسے جرائم سے بچنے کی تلقین فرما کر اخلاقی اور معاشرتی برائیوں پر روک لگائی ہے۔انسانی خون،اس کے مال واسباب اور اس کی عزت وآبرو کو قابل احترام قرار دے کر ملک ومعاشرے میں پیدا ہونے والے فتنہ وفساد سے انسان کو تحفظ عطا کیا ہے۔ساتھ ہی بڑی خوبی سے آپسی تعاون، محبت و ہمدردی، اقربا اور غربا پروری کا جذبہ دل میں بٹھایا ہے۔ پھر یہ کہہ کر کہ ہر شخص انفرادی طور پر اپنے اپنے عمل کا ذمہ دار ہے، اجتماعی طرز معاشرت کا اعلیٰ نمونہ پیش کیا ہے۔

علاوہ ازیں ایک دوسرے پر بیجا ظلم وستم ڈھانا۔کسی کو ناحق نقصان پہنچانا وغیرہ عمل کو بڑی سختی سے روکا ہے اور سب کے ساتھ حسن سلوک وحسن معاملات کا درس دیا ہے۔مردوں کو عورتوں کے ساتھ بھلائی سے پیش آنے کی وصیت فرمائی ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک امانت ہے۔اس کی حفاظت کرنا انسانوں کی ذمہ داری ہے۔ اس لیے ان کے ساتھ نرمی سے پیش آؤ اور ان کے حقوق کا بہر حال خیال رکھو۔

اس لحاظ سے دیکھا جائے تو یہ خطبہ باہمی انسانی رشتے، اخوت ومحبت، مساوات اور اتحاد ویکجہتی کا انوکھا پیغام ہے۔ اس میں انسانی زندگی کی فلاح وبہبود کے ان تمام کارگر نسخوں کی نشاندہی کر دی گئی ہے جنھیں اپنا کر ایک مثالی زندگی پیش کی جاسکتی ہے۔

لیکن اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ محض یہ کہہ دینا کافی ہے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ''اسوۂ حسنہ'' کا مکمل نچوڑ ''حجۃ الوداع'' کے خطبے میں پیش کیا ہے اور اپنے ماننے والوں کے لیے بہترین نمونہ چھوڑا ہے کہ اپنے تو اپنے اگر اسے غیر بھی اپنا لے تو زندگی کے ہر موڑ پر کامیابی حاصل کر سکتا ہے۔

زندگی کے تمام شعبوں میں یہ تو ہر کوئی کہتا ہے کہ '' حجۃ الوداع'' کا خطبہ پوری انسانیت کی فلاح وصلاح کا ضامن ہے مگر کسی نے کبھی یہ بھی سوچا ہے کہ مسلمان اپنی زندگی میں اس خطبے کو کتنی اہمیت دے رہا ہے؟ اس کی زندگی اس خطبے سے کس قدر میل کھا رہی ہے؟ اگر نہیں اور ہرگز نہیں، تو اب صرف یہ نہ کہا جائے کہ ''حجۃ الوداع'' انسانی حیات کا نمونہ ہے بلکہ اس کو اپنا کر اس کا عملی نمونہ پیش کیا جائے، ورنہ انسان سب کچھ تو ہو سکتا ہے ایک سچا اور پکا مسلمان نہیں:؎

یوں تو سید بھی ہو، مرزا بھی ہو، افغان بھی ہو
تم سبھی کچھ ہو، بتاؤ کہ مسلمان بھی ہو

+++

عزیز اللہ بقائی

انسانیت کی فلاح

اعلان نبوت سے پہلے کا دور ذہن میں آتے ہی ایک ایسے سیاہ دور کا منظر سامنے آجاتا ہے جہاں چاروں طرف کفر ہی کفر اور فسق ہی فسق کا بازار گرم تھا۔ کہیں شراب نوشی تو کہیں زنا کاری، کہیں جوا کھیلا جارہا تھا تو کہیں لڑکیوں کو زندہ درگور کیا جا رہا تھا۔ ہر کوئی بت پرستی میں مبتلا تھا۔ چاروں طرف اندھیرا ہی اندھیرا تھا اور روشنی کہیں دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ ایسے میں ضرورت تھی ایک آفتاب کے طلوع ہونے کی جس کے نور سے سارا اندھیرا دور ہوجائے۔ آخر کار اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت جوش میں آئی اور اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نور بنا کر دنیا میں بھیجا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے ساری دنیا روشن ہوتی چلی گئی۔ آپ نے اللہ تبارک وتعالیٰ کے حکم کی فرمانبرداری کرتے ہوئے ۴۰ سال کی عمر میں نبوت کا اعلان فرمایا جس نے کفر کے ایوان میں ایک زلزلہ برپا کردیا۔

اور یہ ظاہری بات ہے کہ جب زلزلہ آتا ہے تو لوگ اس کی چپیٹ میں آتے ہی ہیں اور ایسا ہوا بھی۔ دھیرے دھیرے لوگ باطل سے حق کی طرف آنے لگے۔ عرب اقوام میں پھیلی ہوئی بدکاریاں بھی آہستہ آہستہ ختم ہونے لگیں۔ پھر ایک دن وہ بھی آیا کہ نہ صرف پوری دنیا میں حق کا بول بالا ہوگیا بلکہ دنیا کے زیادہ تر حصوں میں اسلامی حکومت بھی قائم ہوگئی۔

غور طلب بات یہ ہے کہ محض ۲۳ سال کی مدت میں برسوں سے پھیلے کفر کی دھجیاں آخر کیسے اڑ گئیں؟ کن وجوہات کی وجہ سے اسلام غالب ہوا؟ ذرا سا دھیان دیں تو معلوم ہوگا کہ اسلام کے پھیلنے کی جو خاص وجہ تھی وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حسن اخلاق تھا۔ اگر کوئی گالی دیتا، برا بھلا کہتا، تکلیفیں پہنچاتا، پھر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آتے تھے اور کچھ جواب دینے کی بجائے اس کے حق میں ہدایت کی دعا فرماتے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اسی ادا کے قائل ہوکر ہی بڑے بڑوں نے اسلام کے آگے سر تسلیم خم کردیا اور اسلام کی سچائی پر ایمان لائے بغیر نہ رہ سکے۔ پھر اس وقت جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس فانی دنیا سے تشریف لے گئے اور کچھ شر پسندوں نے اسلام کو نقصان پہنچانے کی ناپاک کوشش کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نے بڑی سختی سے اسے روکا اور اسلام کے نظام کو مضبوط کیا، چنانچہ یہ عمل سلسلہ در سلسلہ چلتا رہا۔ ادھر وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ اسلام کے ماننے والوں میں کچھ خرابیاں بھی آنی شروع ہوگئیں۔ مسلمان اپنے حقیقی مقصد کو بھولنے لگے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بدمذہبیت کے شعلوں نے اسلامی چہرے کو جھلسا کر رکھ دیا جسے ہم آج اپنی نظروں سے بخوبی دیکھ سکتے ہیں۔

اسلام کے اس زوال کے تعلق سے سوچا جائے کہ آخر اس کا سب سے بڑا سبب کیا ہے؟ تو اس کو سمجھنے کے لیے ہمیں ماضی کی تاریخ کا دروازہ کھولنا ہوگا کہ آپ صلی اللہ علیہ

وسلم نے اپنے آخری زمانے میں امت کو مخاطب کر کے ایک عمدہ فارمولہ دیا اور ارشاد فرمایا کہ اے لوگو! میں تمھارے درمیان دو ایسی اہم چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں جسے اگر مضبوطی سے پکڑے رہو گے تو دنیا و آخرت میں تم کامیاب رہو گے، وہ دو چیزیں ہیں قرآن اور اہل بیت۔

لیکن افسوس کہ دونوں میں سے کسی پر مسلمانوں کا عمل نہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ:

ان سے کسی صحابی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کے تعلق سے سوال کیا تو انھوں نے جواب دیا کہ:

"کَانَ خُلُقُہُ القُرآن۔" یعنی بے شک آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اخلاق قرآن ہے۔

اس سے ایک اہم نکتے کی طرف بھی اشارہ ہے کہ جہاں ہم ایک طرف قرآن پر عمل کرنے کی کوشش کرتے ہیں وہیں ساتھ میں اخلاق رسول پر بھی عمل کرنے کی طرف پیش قدمی کریں جو کہ مطلوب زندگی ہے۔

مختصر یہ کہ آج بھی انسان اگر نبی برحق صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے راستے پر چلے اور ان کی بتائی ہوئی تعلیمات کو اپنانے کی کوشش کرے تو یقیناً زندگی کے ہر موڑ پر کامیاب ہوتا نظر آئے گا۔ انھیں تعلیمات کا نتیجہ تھا کہ عرب بدوؤں نے اپنی زندگی کے حسن میں اضافہ کیا۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقوں پر چل کر اپنے اجڑے ہوئے چمن میں بہار کو مرحبا کہا۔ ورنہ کون نہیں جانتا کہ ان عربوں کی زندگی کن آفتوں اور مصیبتوں کے دلدل میں پھنسی ہوئی تھی کہ ذرا ذرا سی بات پر ایک دوسرے کے خلاف برسرپیکار ہو جاتے تھے اور یوں جنگ کا سلسلہ سالہا سال تک دراز ہوتا رہتا جو اہل عرب کو انسانیت کی فہرست سے نکال کر بہت دور پھینک چکے تھے لیکن صرف ایک طریقۂ مصطفی کو اپنا کر انھوں نے وہ مقام حاصل کیا کہ دنیا کی مسیحائی کرتے نظر آئے۔

انسانیت کی فلاح و کامرانی کے لیے ضروری ہے کہ محسن انسانیت حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ اور سنت حسنہ کا مطالعہ کیا جائے اور جہاں تک ہو سکے نبوی تعلیمات و ہدایات کے مطابق زندگی گذر بسر کی جائے تبھی دنیوی و اخروی کامیابیاں مل سکتی ہیں، ورنہ نہیں۔

ایک بار پھر وقت کے نامساعد حالات کے سبب آج انسانیت درد و کرب میں پھنسی تڑپ رہی ہے مگر اس تڑپ کو دور کرنے کی فکر کرنے والا اسلام کے سوا کوئی نہیں نظر آتا ہے، اس لیے انسانیت کی فلاح و کامرانی کی لیے ضروری ہے کہ محسن انسانیت حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ اور سنت حسنہ کا گہرا مطالعہ کیا جائے اور جہاں تک ہو سکے تعلیمات نبوی اور ہدایات کے مطابق زندگی گذاری جائے۔ ساتھ ہی اپنے اعمال و کردار سے احباب و اقربا اور پڑوسیوں میں اس پر عمل کرنے کی تحریک چلائی جائے تبھی دنیوی و اخروی کامیابیاں مل سکتی ہیں ورنہ نہیں، کیوں کہ:

طریق مصطفی کو چھوڑنا ہے وجہ بربادی
اسی سے قوم دنیا میں ہوئی بے اقتدار اپنی

+++

محمد مقصود عالم

بیعت کیا ہے؟

بیعت ایک عربی لفظ ہے جو 'بیع' سے بنا ہے جس کا معنی ہے فروخت کرنا۔ یہی معنی طریقت کی اصطلاح میں بھی لیا جاتا ہے ،یعنی جس کسی شخص نے شرف بیعت سے سرفرازی حاصل کی ،گویا اس نے اپنے آپ کو مرشد کے ہاتھوں فروخت کر دیا۔ یہاں پر فروخت ہونے سے مراد یہ ہے کہ مرید نے اپنی نفسانی خواہشات کو اپنے پیر کے ہاتھوں بیچ دیا۔ اب جو اس کا مرشد چاہے گا وہی کرنا ہے ۔اس کی اپنی خواہشات کا اس میں کچھ عمل دخل نہیں۔ اسی کے ساتھ دل میں یہ یقین بھی بیٹھ جائے کہ مرشد وہی کرنے کے لیے کہے گا جس میں اللہ عزّ وجل اور پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا شامل ہوگی۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ پیر و مرشد کی کیا ضرورت ہے؟ کیا ہدایت کے لیے پیغمبر کافی نہیں ہے؟

اس کے لیے عرض ہے کہ جس طرح اللہ تبارک وتعالیٰ تک پہنچنے کے لیے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ضرورت ہے، اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ پر عمل کرنے کے لیے پیر کامل کی رہنمائی کی ضرورت ہے۔ جب ایک مرید پیر کامل کی زندگی کو سنت و شریعت کے عین مطابق دیکھتا ہے تو اس کے ایمان و یقین میں پختگی آتی جاتی ہے۔اس کے عقیدے میں پاکیزگی آتی ہے۔ ساتھ ہی وہ اپنے عمل میں ان سے رہنمائی حاصل کرنے کا موقع پاتا ہے اور اپنے لیے اصلاح و تزکیہ نفس کا سامان فراہم کرتا ہے۔

یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ ہمارا نفس ایک جانور کی مانند ہے، اس لیے اسے آزاد نہ رہنے دیا جائے ، ورنہ ایمان ومعاشرے کے لیے، وہ طرح طرح سے مشکلات پیدا کرنے کی کوشش کرے گا، چنانچہ اس کے گلے میں بیعت کی زنجیر ڈال دینا ضروری ہے اور کسی پیر کامل کی نگہبانی بھی لازم ہے تا کہ سرکش نفس کو بھٹکنے کا کوئی موقع نہ ملے۔

عصر حاضر میں جبکہ ہر طرف تاریکی پھیلی ہوئی ہے، ایسے میں اگر انسان چاہتا ہے کہ ان احکام کے تابع ہو جائے جو قرآن و حدیث کے مطابق ہو تو یہ اسی وقت ممکن ہے جب کسی پیر کامل کا دامن تھام لے اور ان کا احترام و عظمت اپنے دل میں رچا بسا لے۔ شیخ ابوسعید شاہ احسان اللہ محمدی صفوی مدظلہ العالی ''مثنوی نغمات الاسرار'' میں فرماتے ہیں:

جس سے وہ روکے تو رک جا با خدا
جس طرف وہ حکم فرمائے تو جا
یہ اشارہ یاد رکھ ہر لحظہ تو
ما نہاکم عنہ اے دل فانتھوا

یہی سبب ہے کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرنے اور اس کا قرب پانے کے لیے بیعت لازم ہے۔ جب تک کوئی مرد کامل صراط مستقیم پر نہیں چلائے گا انسان چل نہیں سکتا ہے اور عام طور پر وہی فرد رہنما بنایا جاتا ہے جسے راستے کے نشیب و فراز سے واقفیت ہوتی ہے۔

بیعت: یہ اللہ عزّوجل کی معرفت حاصل کرنے کا پختہ ذریعہ ہے جو طالب کسی اللہ والے کی موجودگی میں اللہ عزّوجل کی معرفت کے لیے بیعت کرتا ہے تو اہل تصوف اسے ارادت کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں جس کا مطلب ارادہ کرنا ہے۔ ارادہ کے بعد ہی عمل کا نمبر آتا ہے اور جب تک ارادہ نہ ہوگا اس وقت تک طالب اپنی منزل مقصود کی طرف بڑھنے کی کوشش نہیں کرے گا۔

اس حقیقت کو بھی یاد رکھا جائے کہ ارادہ سے مراد صرف تمنا یا آرزو رکھنا نہیں بلکہ مطلوب کا دل و دماغ میں مکمل طور سے چھا جانا ہے اور اسی کا دیوانہ بن جانا ہے۔ جس بندۂ خدا کے دل میں یہ صفات آجاتے ہیں ایسے ہی شخص کو مرید کہا جاتا ہے۔

شیخ ابوسعید شاہ احسان اللہ محمدی صفوی مدظلہ العالی 'ارادت' کی حقیقت کو ''مثنوی نغمات الاسرار'' میں یوں بیان فرماتے ہیں:

تیری نظروں میں نہ آئے کوئی بھی
عین معراج ارادت ہے یہی

بزرگوں نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا سب سے آسان اور نزدیک راستہ بیعت ہے اور خدائے تعالیٰ کا قانون بھی اسی طریقے پر جاری ہے۔ جس طرح کوئی انسان کسی کے پاس زانوئے ادب تہہ کیے بغیر کوئی فن آسانی اور کامل طریقے سے حاصل نہیں کرسکتا اسی طرح باطنی کمالات کو انسان بیعت کے بغیر حاصل نہیں کرسکتا، اسی لیے مرشد کی ضرورت ہوتی ہے۔

قرآن پاک کا ارشاد ہے کہ'' وہ مقبول بندے جنہیں یہ کافر پوجتے ہیں وہ آپ ہی اپنے رب کی طرف وسیلہ ڈھونڈھتے ہیں کہ ان میں کون زیادہ مقرب ہے، اس کی رحمت کی امید رکھتے ہوئے اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں، بے شک تمہارے رب کا عذاب ڈر کی چیز ہے۔

(بنی اسرائیل، آیت ۵۷)

ہمارا نفس ایک جانور کی مانند ہے، اس لیے اسے آزاد نہ رہنے دیا جائے، ورنہ ایمان ومعاشرے کے لیے، وہ طرح طرح سے مشکلات پیدا کرنے کی کوشش کرے گا، چنانچہ اس کے گلے میں بیعت کی زنجیر ڈال دینا ضروری ہے اور کسی پیر کامل کی نگہبانی بھی لازم ہے تاکہ سرکش نفس کو بھٹکنے کا کوئی موقع نہ ملے۔

اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اللہ کی عطا اور انعام کے سبب، اولیائے کرام بھی دنیا وآخرت اور قبر وحشر میں اپنے متوسلین کے شفیع ومددگار رہیں۔

چنانچہ امام عارف باللہ سیدی عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ ''عبود محمدیہ'' میں فرماتے ہیں:

''جو کوئی شخص کسی نبی یا رسول یا ولی کا متوسل ہوگا ضروری ہے کہ وہ نبی یا رسول یا ولی مشکلات میں اپنے متوسلین کی دستگیری فرمائیں۔''

ان باتوں سے واضح ہوتا ہے کہ اولیاء اللہ نہ صرف اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے ہوتے ہیں بلکہ اللہ کے قرب حاصل کرنے میں مددگار بھی ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو بزرگوں کی صحبت خیر کی توفیق بخشے اور ان کے قلوب میں طلب صادق کی تڑپ پیدا فرمائے۔

+++

فخر عالم

تعلیم کا اصل مقصد

علم ایک ایسی دولت ہے، جس کو حاصل کر لینے کے بعد انسان خود کو دوسرے (ناخواندہ) انسان سے قدآور اور برتر محسوس کرتا ہے اور ایک جاہل، تعلیم یافتہ کے سامنے بونا نظر آتا ہے۔ بشرطیکہ تعلیم یافتہ انسان کے اندر انسان کی صفت انسانیت موجود ہو۔

مگر افسوس کا مقام تو یہ ہے کہ جس قوم وملت کی بنیاد اقرا پر رکھی گئی، علم حاصل کرنا جس قوم کے لیے فرض قرار دیا گیا اور جس کو یہ ہدایت دی گئی:

''علم حاصل کرو ماں کی گود سے لے کر قبر تک۔''

آج وہی قوم سماجی، اخلاقی، معاشی اور تعلیمی اعتبار سے تنزلی کے آخری درجے تک جا پہنچی ہے۔ وہ قوم جس کے علم و دانش کے بیش بہا خزانے سے مغرب مالا مال ہو گیا، آج وہی قوم علم و ہنر کے میدان میں آخری صف میں کھڑی ہے اور یہ کہتی نظر آ رہی ہے کہ: ''پدرم سلطان بود۔''

ماہرین تعلیم کا کہنا ہے کہ ''بے علمی مفلسی کی ماں ہے، جس قوم میں علم و ہنر نہیں رہتا وہاں مفلسی آتی ہے اور جب مفلسی آتی ہے تو ہزاروں جرموں کے سرزد ہونے کا باعث ہوتی ہے۔''

انسان کے پاس علم کی دولت ہے، اگر وہ چاہے تو ستاروں پر بھی کمندیں ڈال سکتا ہے۔ خود کو آسمان کے تاروں سے بھی زیادہ اونچا اٹھا سکتا ہے اور سورج کی مانند روشن رہ کر پوری دنیا سے جہالت کے اندھیرے کو علم کی روشنی میں تبدیل کر سکتا ہے کیونکہ علم ایک ایسی روشنی ہے جس کے آگے سورج، چاند اور ستارے سبھی ماند اور دھندلے نظر آتے ہیں۔

کسی بھی قوم کو ترقی کے نقطۂ عروج تک پہنچنے کے لیے، علم و ہنر، فنون لطیفہ، نظام تجارت اور انفرادیت کے زینے سے ہو کر گزرنا پڑتا ہے۔ بہر حال! بات علم کی چل رہی تھی، اس لیے گفتگو بھی اسی موضوع پر ہونی چاہیے۔ ایک وہ بھی زمانہ تھا کہ تعلیم یافتہ لوگوں کو دن کے اجالے میں چراغ لے کر ڈھونڈنا پڑتا تھا لیکن آج وقت بدل گیا ہے بلکہ یوں کہہ لیں کہ آزادی کے بعد ہندوستانی معاشرے میں ایک سے بڑھ کر ایک انقلاب رونما ہو چکا ہے۔ اس کا نتیجہ آنکھوں کے سامنے ہے کہ آج پر جوش دریا کے ریلے کی مانند ایک جم غفیر کالجوں اور یونیورسٹیوں کی طرف بڑھتی ہوئی نظر آ رہی ہے۔ اس عام رجحان کے باوجود تعلیم کا معیار گرتا ہی جا رہا ہے۔ آج ہم تعلیم کو تعلیم نہ سمجھ کر اسے ایک تفریح کا ذریعہ سمجھتے ہیں اور وقت گزاری کا محض ایک سامان بھی۔ آج ہم تعلیم کے اصلی مقصد اور اس کی روحانیت کو بھول چکے ہیں اور اس تعلیم کو محض کتابوں تک محدود کر کے رکھ دیا ہے اور یہ سمجھ لیا ہے کہ اس کا مقصد ڈگریاں حاصل کرنے کے علاوہ کچھ نہیں۔

لیکن اس سے بھی زیادہ بدقسمتی کی بات یہ ہے کہ جیسے جیسے تعلیم کو فروغ ملتا جا رہا ہے ویسے ویسے یہ معاشرہ بدعنوانی کا شکار ہوتا جا رہا ہے۔ یہ تعلیم کی حقیقتوں سے فرار کا نتیجہ ہے کہ انسانیت مٹتی چلی گئی اور حیوانیت بڑھتی چلی جا رہی ہے اور آج خود انسان ہی انسانیت کا دشمن ہو گیا ہے۔ پہلے شرحِ خواندگی

کم تھی، لوگ کم پڑھے لکھے ہوتے تھے تو کثرت میں وحدت پیدا کر لیتے تھے۔ لیکن آج خواندگی کی شرح بھی بڑھ گئی ہے اور ہم تعلیم کے نقطۂ عروج پر بھی پہنچ گئے ہیں پھر بھی وحدت میں کثرت کی زندگی گزار رہے ہیں۔ اس بات کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ میں تعلیم کا مخالف ہوں بلکہ میں اکبر الٰہ آبادی کے لفظوں میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ: ؎

کون کہتا ہے کہ تو علم نہ پڑھ عقل نہ سیکھ
کون کہتا ہے نہ کر حسرت لندن پیدا
بس یہ کہتا ہوں کہ ملت کے معانی کو نہ بھول
راہ قومی کا تو خود ہی نہ ہو رہزن پیدا

کیونکہ تعلیم کا مقصد انسان کے اندر بے حیائی اور بے غیرتی پیدا کرنا نہیں ہے، بلکہ تعلیم کا مقصد ہے انسان کی شخصیت میں نکھار پیدا کرنا، ذہن وشعور میں ایک مثبت تبدیلی لانا، قومی کردار کی روح پھونکنا، انسانی اقدار کے دریچے کھولنا، تعصب اور تنگ نظری کو ختم کر کے اخلاقی قدروں کو برقرار رکھتے ہوئے انسان کو تہذیب وتمدن کے بلند وبالا مقام تک پہنچانا ہے۔

درحقیقت تعلیم انسان کو علم کی ان بلندیوں تک پہنچاتی ہے جہاں سے تخلیق علم و دانش کی منزل کی شروعات ہوتی ہے اور وہ ایسا عالم بناتی ہے جو خود کو علم کے لیے وقف کر دے اور علم کے انوار کو تمام کائنات میں اس طرح بکھیر دے کہ ہر خاص و عام اس سے مستفیض ہو سکیں۔ مجموعی طور پر تعلیم انسان کو مہذب بنا کر ترقی کے نقطۂ عروج تک پہنچاتی ہے۔

لیکن کیا ہماری یہ تعلیم واقعی ہمیں مہذب بنا رہی ہے؟ آج خود کو مہذب، ماڈرن اور تعلیم یافتہ کہنے والا یہ انسان جو قدیم ترین انسان کو غیر مہذب اور جنگلی کہتا ہے، کیا اس نے خود اپنے گریبان میں جھانک کر کبھی یہ دیکھنے کی کوشش کی ہے کہ واقعی غیر مہذب ہے کون؟ یا پھر ایک مہذب اور غیر مہذب میں فرق کتنا ہے؟ چوں کہ پرانے زمانے میں انسان، کپڑا بُن کر تیار کرنے کا اہل نہیں تھا، جس کے سبب اسے ننگا رہنا پڑتا تھا۔ یہ اس کی بے بسی تھی۔ وہ بے بس اور مجبور ضرور تھا لیکن بے غیرت نہیں تھا۔ چنانچہ جب اس کے ضمیر نے اسے ننگا رہنے کی اجازت نہیں دی تو اس نے اپنے جسم کو ڈھکنے کے لیے پیڑوں کے پتوں اور چھالوں کا استعمال کرنے سے پیچھے نہیں ہٹا اور ایک دن ایسا بھی آیا کہ اس نے اپنی سخت محنت اور مسلسل کاوشوں کے زور پر اپنے جسم کو ڈھکنے کے لیے کپڑا تیار کرنے میں عظیم کامیابی حاصل کر لی۔

اب جبکہ ہم ایک مہذب انسان کہلاتے ہیں۔ ہمارے اندر سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیت بھی ہے کہ ہم کیا ہیں اور ہمارا نصب العین کیا ہے؟ پھر بھی اگر ہمارے اعمال سے انسانی معاشرے کو کوئی نقصان پہنچتا ہے تو اس پر ہمیں غور کرنا ہوگا۔

دوسری جانب تعلیم کی بات ہوتے ہی عورتوں کی تعلیم وتربیت کا مسئلہ سامنے آتا ہے۔ اس تعلق سے آئے دن کہیں نہ کہیں مباحثے ہوتے رہتے ہیں۔ ریڈیو سے لے کر اخبارات تک اور سیمینار سے لے کر ڈسکشن میز تک۔ کہ آخر ہندوستانی (خصوصاً دیہاتی) عورتیں مردوں کے مقابلے میں اتنی کم پڑھی لکھی کیوں ہے؟ تعلیم نسواں کو عام کرنے کے لیے کون سے طریقے اپنائے جائیں تاکہ ان کی زندگی کا معیار بلند ہو سکے۔

کچھ روز پہلے کی بات ہے کہ میں بیٹھا ہوا ٹی وی پر ایک پروگرام دیکھ رہا تھا جس کا موضوع تھا ''شاکشرتا ابھیان'' یعنی: خواندگی کی مہم۔ اس پروگرام میں ایک محترمہ نے اپنے

خیالات کا اظہار کچھ یوں کیا کہ:

''پردہ پڑ تھا، ایک کُو پڑ تھا اور اس کا انت شکشا سے ہوگا۔ جب ہماری بیٹیاں پڑھی لکھی ہوں گی تو اس کا وِرودھ کریں گی۔''

مطلب پردے کی رسم ایک بری رسم ہے اور اس کا خاتمہ تعلیم سے ہوگا۔ پڑھ لکھ کر عورتیں اس کی مخالفت کریں گی۔

ایک ہندوستانی خاتون کے منھ سے یہ بات سن کر عجیب ناگواری کا احساس ہوا کہ تعلیم تو سماج ومعاشرے سے مناقشت ومخالفت کے خاتمے کا سبب ہے۔ یہ کیسی تعلیم حاصل کریں گی کہ وہ خود اپنی عزت وعفت کے نگہبان پردے کو نیلام کردیں گی اور جھٹ زبان پر اکبر الہ آبادی کا یہ شعر جاری ہوگیا کہ: ؎

حامدہ چمکی نہ تھی انگلش سے جب بیگانہ تھی
اب ہے شمع انجمن پہلے چراغ خانہ تھی

کتنے افسوس کی بات ہے کہ آج ایک عورت نما چراغ اور پردے نما فانوس کو اپنی حفاظت کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی، جبکہ یہ ایک بجھے ہوئے چراغ کی علامت ہے اور ایک بجھا ہوا چراغ نہ تو خود کو روشن رکھ سکتا ہے اور نہ ہی کسی بھی قوم کی فلاح وبہبود کا باعث بن سکتا ہے۔

بہر حال! کچھ بھی ہو۔ ہمیں یہ ضرور یاد رکھنا چاہیے کہ عورت نام ہے اس عظیم ہستی کا جو ایک ہی وقت میں ماں بھی ہوتی ہے اور بیٹی بھی۔ بہن بھی ہوتی ہے اور بیوی بھی۔ ایسی حالت میں وہ تعلیم جو اس عظیم ترین ہستی کو بے پردہ کردے، اس سے کہیں بہتر یہ ہے کہ اسے تعلیم یافتہ بنانے کے بجائے اسے تعلیم سے دور ہی رکھا جائے، کیوں کہ کسی بھی چیز کا وجود اسی وقت تک برقرار رہتا ہے جب تک کہ اس کی صفت اس کے اندر موجود ہو۔ ورنہ اس کا نام ونشان تک باقی نہیں رہتا۔

عورت کا اصل حسن اور زیور اس کی نسوانیت ہے جو عورت اس حسن وزیور سے محروم ہوجائے، وہ کیسے حسین وجمیل رہ سکتی ہے۔ ایک ایسی تعلیم جو عورت کو سماجی برائیوں سے دور نہ رکھ سکے اور اسے بازارو بننے کی دعوت دے، بھلا وہ کیسے نفع بخش ہوسکتی ہے؟ اس لیے ہماری طرز تعلیم اس طرح کی ہونی چاہیے کہ جس سے عورت اپنے وجود کو ہمیشہ برقرار رکھ سکے۔ کیوں کہ تعلیم کا مقصد یہی ہے کہ وہ انسان اور معاشرے کی تحسین وتزئین میں معاون ہو نہ کہ اس کے اندر فساد وبگاڑ کا سبب بنے۔

ہم یہ نہیں کہتے کہ جدیدیت اچھی چیز نہیں ہے۔ وہ ایک اچھی چیز ہے لیکن مغربیت اچھی چیز نہیں۔ ہمیں جدید ترین بننے کی کوشش تو کرنی ہی چاہیے لیکن مغربیت ترین نہیں، کیوں کہ مغرب کی طرف جانے سے سورج بہت جلد غروب ہوجاتا ہے۔

اس لیے مغرب کی تقلید سے اجتناب بہت ضروری ہے ورنہ ہماری صدیوں پرانی ہندوستانی تہذیب، جس پر ہمیں فخر ہے، اسے یہ مغربی طرز تعلیم کسی اژدہے کے مانند نگل جائے گی اور تب ہم شاید علامہ اقبال کی طرح چھتیس انچ چوڑا سینہ کرکے یہ کہنے کے قابل نہیں رہیں گے کہ: ؎

یونان ومصر وروما سب مٹ گئے جہاں سے
اب تک مگر ہے باقی نام و نشاں ہمارا

+++

مولانا شاہد رضا ازہری

امام غزالی: سوانحی خاکہ

حجۃ الاسلام امام محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت محتاج تعارف نہیں۔ ان کا شمار ایسی نفوس قدسیہ میں ہوتا ہے جنھیں اللہ تعالیٰ صدیوں میں پیدا فرماتا ہے۔ ان کی زندگی کا ہر لمحہ شریعت مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گذرا۔ ان کی نورانی فکر وتخیل میں ''اللہ ھو'' کی آوازیں گونجتی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے امام غزالی کی زبان وقلم میں وہ قدرت عطا فرمایا تھا کہ جس کی نظیر دنیا میں بہت کم دیکھنے کو ملتی ہے۔

ولادت باسعادت:

امام غزالی کی پیدائش ملک 'خراسان' کے ایک شہر 'طاہران' قصبہ 'طوس' میں ۴۵۰ ہجری مطابق ۱۰۵۲ عیسوی میں ہوئی۔ اصل نام محمد بن محمد بن محمد اور کنیت ابو حامد ہے۔ خاندانی پیشہ دھاگا کاتنا تھا جس کی بنا پر وہ غزالی کہلائے۔

تحصیل علم:

والد مکرم باوجود کہ تعلیم یافتہ نہ تھے لیکن علما اور صوفیا کی مجلسوں سے مستفیض تھے اور انھیں اولیاء اللہ کی تربیت حاصل تھی۔ چنانچہ موت سے قبل اپنے ایک دوست کو وصیت کردی تھی کہ وہ امام محمد غزالی اور ان کے چھوٹے بھائی احمد غزالی کو اپنی نگرانی میں زیور علم سے آراستہ کرائیں۔ یوں امام غزالی علیہ الرحمہ نے نہ صرف اس وقت کے رائج تمام علوم وفنون میں مہارت حاصل کی اور خلق خدا کو فائدہ پہنچایا بلکہ فقہ، اصول فقہ، حدیث، تصوف، منطق، علم کلام وغیرہ علوم میں ایک نمایاں مقام حاصل کیا۔

گیارھویں صدی میں ''نیشاپور'' اور ''بغداد'' علم کا گہوارہ مانا جاتا تھا جہاں دنیا کے گوشے گوشے سے طالبان علوم وفنون جوق درجوق آیا کرتے تھے۔ جب امام غزالی کی علمی طلب نے زور مارا تو علاقے میں کوئی ایسا ادارہ نہیں پایا جو آپ کو علمی تسکین دے سکے۔ تب آپ نیشاپور پہنچے اور وہاں کی مشہور ''جامعہ'' میں داخل ہوئے اور علامہ ابولمعالی جوینی اور علامہ ابونصر اسمٰعیل قدس سرہما سے مختلف علوم و معارف حاصل کیے۔

حصول علم کے بعد لوٹ رہے تھے کہ راستے میں ڈاکوؤں نے اچانک حملہ کرکے سارا سامان لوٹ لیا، یہاں تک کہ آپ کا وہ علمی کارنامہ بھی لے گیا جو برسوں کی محنت کا ثمرہ تھا۔ امام غزالی اپنی جان کی پرواہ کیے بغیر ڈاکوؤں کے سردار کے پاس پہنچے اور کہا: تم میرا سارا ساز وسامان لے لو لیکن میرا علمی اثاثہ مجھے واپس کردو۔ یہ سن کر سردار ہنسا اور یہ کہتے ہوئے وہ کتابچہ واپس کر دیا کہ: ''واہ صاحبزادے! آپ نے جو کچھ پڑھا وہ اس کتاب میں رکھ دیا اور اپنے پاس کچھ نہ رکھا؟''

سردار کے ان الفاظ نے امام غزالی کے دل پر پر گہرا اثر ڈالا۔ انھوں نے اسی وقت اپنے دل میں یہ تہیہ کرلیا کہ جب تک اس علمی نوٹ کو حفظ نہیں کرلیتا، چین سے نہیں بیٹھوں گا اور دنیا نے دیکھا کہ امام غزالی نے اپنے اس عزم کو پورا کرکے ہی دم لیا۔ بنابریں انھیں ''حجۃ الاسلام'' کہا گیا۔

تدریسی خدمات:

امام جوینی رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کے بعد ۴۷۷ ہجری میں سلطان نیشاپور نے امام غزالی کو وائس چانسلر مقرر کیا اور چند ہی دنوں میں امام غزالی نے وہ شہرت حاصل کر لی جسے لوگ برسوں میں حاصل کر پاتے ہیں۔ بڑے بڑے علما اور فضلا امام غزالی کی تبحر علمی کے قائل تھے۔ سلطنت سلجوقیہ کے خواجہ نظام الملک طوسی امام غزالی علیہ الرحمہ کی تعظیم بڑے ہی والہانہ انداز میں کیا کرتے تھے۔ ہمیشہ امام غزالی کی مدح خوانی اور دلجوئی کیا کرتے تھے، اس خوف سے کہ کہیں ادنیٰ سی تکلیف امام غزالی کو نیشا پور چھوڑنے پر مجبور نہ کر دے اور وہ کسی اور ملک کی طرف چلے نہ جائیں، مثلاً: بغداد، دمشق وغیرہ۔

ادھر مدرسہ نظامیہ کے ناظم و مہتمم یہ چاہتے بھی تھے کہ وہ ان کے ہاں چلے آئیں اور مسند درس و تدریس کو وقار بخشیں، کیونکہ ان کے ادارے کا معیار کم ہوتا جا رہا تھا اور زبوں حالی کا شکار تھا۔ ایسے میں صرف امام غزالی کی اکیلی ذات تھی جو ''مدرسہ نظامیہ'' میں انقلاب لاسکتی تھی۔ بالآخر ایسا ہوا بھی کہ وائس چانسلر علامہ حسین بن علی طبری علیہ الرحمہ کی وفات کے بعد نظام الملک کی گذارش پر امام غزالی ''بغداد'' گئے اور وائس چانسلر کے اعلیٰ منصب کو قبول فرمایا۔

تصانیف: امام غزالی علیہ الرحمہ نے تقریباً پچہتّر (۷۵) کتابیں تصنیف کیے ہیں۔ ان میں احیاء العلوم، کیمیائے سعادت، منہاج العابدین، الاعتقاد اور المستصفٰی وغیرہ قابل قدر ہیں۔ یہ کتابیں ایسی ہیں جن سے اپنے بیگانے سبھی فائدہ اٹھاتے ہیں، یہاں تک کہ یورپی ممالک میں بھی یہ کتابیں کافی اہمیت رکھتی ہیں۔

تصوف سے رغبت:

چونکہ امام غزالی علیہ الرحمہ کی طبیعت میں تحقیق کا مادہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ جب رسمی علوم سے آگے کی سیر کی کوشش کرتے تو گاڑی رکتی نظر آتی اور کئی طرح کے شکوک و شبہات ذہن میں ابھر آتے۔ چنانچہ اس علم کی تہہ تک پہنچنے کا پختہ فیصلہ کر لیا اور جب اس سلسلے میں بے چینی بڑھی تو اطمینان کی تلاش میں سارے مذہبی فرقوں کی کتابیں اور عقائد کو پڑھنا شروع کیا۔ فلسفہ اور علم کلام کی کتابوں کا مطالعہ کیا پھر بھی مسئلہ حل نہ ہوسکا۔

امام غزالی پر ایسی حالت کا طاری ہونا فطری تھا، کیونکہ جسے علم حق کی تلاش ہوتی ہے، اس کا حل صرف اور صرف خدا کی بارگاہ میں ہی ہوتا ہے، جہاں حق کا علم رسمی طور پر نہیں بلکہ تحقیقی اور مشاہداتی طور پر حاصل ہوتا ہے۔

حضرت بایزید بسطامی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: تم عنعنہ کے ذریعے علم حاصل کرتے ہو اور میں براہ راست ''حی وقیوم'' سے علم حاصل کرتا ہوں۔

آخر کار امام غزالی نے تصوف کی طرف رخ کیا اور بزرگان دین اور اصفیائے کاملین، مثلاً: سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی، حضرت شبلی، حضرت بایزید بسطامی رضی اللہ عنہم کے ارشادات وملفوظات کا مطالعہ کیا اور حضرت ابوطالب مکی، حضرت حارث محاسبی وغیرہ کی کتابیں پڑھیں تو پتہ چلا کہ تمام مسائل کا حل تصوف وسلوک کے اندر ہے۔ محض علم حاصل کرنے سے کچھ نہیں ہوتا، عمل کے لیے نفس کے مجاہدے کے ساتھ ریاضت بدنی بھی درکار ہے۔

امام غزالی کے ذہن میں یہ بات ماہ رجب ۴۸۸ ہجری

میں آئی۔ تقریباً چھے ماہ کش مکش میں گذر گئے۔ جب کبھی راہ سلوک کا ارادہ کرتے نفس فوراً آڑے آجاتا اور دل میں یہ خیال پیدا کردیتا کہ کہاں شاہانہ زندگی اور کہاں فقیری۔ لیکن جب انسان کی طلب، جنون کی شکل اختیار کرلیتی ہے تو اسے زمانے کے نشیب وفراز کیسے روک سکتے ہیں۔ کچھ اسی طرح امام غزالی کے ساتھ بھی ہوا۔ طلب صادق میں اس قدر دیوانے ہوئے کہ طبیعت دنیا کی شاہانہ زندگی سے اچاٹ ہوگئی۔ انھیں ایسا محسوس ہونے لگا کہ اب زبان گنگ ہوجائے گی اور درس وتدریس کا سلسلہ جاری نہ رہ سکے گا۔ اس فکر میں آہستہ آہستہ صحت بھی خراب رہنے لگی۔ آخر ایک دن راہ طلب میں نکل پڑے۔ قیمتی لباس کی جگہ بدن پر کمبل آگیا۔ لذیذ کھانے کی جگہ ساگ سبزی کھانے لگے۔ اسی وارفتگی کے عالم میں پہلے شام، پھر دمشق روانہ ہوئے اور پوری توجہ کے ساتھ ریاضت ومجاہدہ میں مشغول رہنے لگے۔

بیعت: ادھر اللہ رب العزت نے امام غزالی کی رہنمائی کی اور ان پر ہدایت وعرفان منکشف ہونے لگے۔ اسی دوران ایک مرد کامل ابوعلی فضل بن محمد فارمدی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے جو امام ابو القاسم قشیری (متوفی ۴۶۵ھ) ابوالحسن علی بن احمد خرقانی (متوفی ۴۲۵ھ) اور امام ابوالقاسم گرگانی رضی اللہ عنہم کے تربیت یافتہ تھے۔ امام غزالی نے اسی جلیل القدر اور عظیم شخصیت سے بیعت کا شرف حاصل کیا اور انھیں کی نظر سعادت سے تصوف وسلوک کے ارفع و اعلیٰ منازل طے کیے، بلکہ اس کو یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ جن چیزوں کو حضرت ابوعلی فارمدی نے امام قشیری، امام ابوالحسن خرقانی اور امام ابوالقاسم گرگانی سے حاصل کیے تھے وہ ساری چیزیں بیک وقت امام غزالی کو عطا فرمادی۔

سادگی اور یاد آخرت: حضرت امام غزالی نے مکہ مکرمہ میں قیام کے دوران ظاہری شان وشوکت سے اپنے آپ کو بہت دور کرلیا تھا۔ معمولی لباس پہنتے اور بڑے سادہ رہا کرتے تھے۔ حضرت عبد الرحمن بن طوسی علیہ الرحمہ نے ایک دن عرض کیا: آپ کے پاس اس کے علاوہ اور کوئی دوسرا کپڑا نہیں ہے؟ آپ قوم کے رہنما و پیشوا ہیں۔ انھوں نے جواب دیا: ایسے انسان کو کیا دیکھتے ہو جو دار فانی میں مسافر کی طرح مقیم ہے۔ جب سرکار دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم اس کائنات گیتی پر مسافر کی طرح مقیم رہے اور کچھ مال ومتاع جمع نہ فرمایا تو میری کیا حقیقت ہے۔

وصال: وصال کا واقعہ نہ صرف حیرت انگیز ہے بلکہ وہ دل میں ان کی بزرگی کا نقش بھی ثبت کردیتا ہے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے بھائی امام احمد غزالی کا بیان ہے کہ جب میرے بھائی کی وفات کا وقت قریب آیا تو انھوں نے مجھ سے فرمایا: ''میرا کفن لاؤ تاکہ میں اپنے بادشاہ کی بارگاہ میں حاضری کی تیاری کروں۔ میں نے کفن لاکر دیا اور وہ اسے لے کر بالاخانے پر چلے گئے۔ وہاں انھوں نے غسل کیا اور کفن پہن لیا۔ ہم بعد میں جب بالاخانے پر گئے تو وہ اپنے رب کی ملاقات سے شرف یاب ہوچکے تھے۔''

اس طرح ۵۴ سال کی عمر میں ۱۴/ جمادی الثانی ۵۰۵ ہجری میں اس دار فانی سے کوچ کرگئے۔

جس لیے آئے تھے سو ہم کر چلے

ماهنامه خضر راه

کوئے جاناں میں قدم ہم دھر چلے

+++

آج ہی ممبر بنیں

گروپ ممبر بنیں اور بنوائیں

کیسے؟

پانچ سے دس لوگوں کا ایک گروپ بنائیں

صاف تحریر میں ایک پتہ انگلش میں لکھ کر بھیجیں

(ہر مہینے تمام ممبر کے لیے رسائل ایک ساتھ بھیجے جائیں گے)

پوری رقم ایک ساتھ ارسال کریں

قیمت سالانہ فی ممبر: -/200 روپے

قیمت سالانہ پانچ ممبر: -/1000 روپے

قیمت سالانہ دس ممبر: -/2000 روپے (ایک ماہنامہ مفت)

مراسلت کا پتہ:

شاہ صفی اکیڈمی/ جامعہ عارفیہ

سید سراواں، کوشامبی، الہ آباد، اتر پردیش

Sajid Sayeedi

SHAH SAFI ACADEMY/JAMIA ARIFIA

Saiyed Sarawan, Kaushambi

Allahabad (UP)

(INDIA) 211001

Mob:08081109914+09628482614

ماہنامہ خضر راہ دہلی

F-464 جیت پور، پارٹ II، نزد کھجوری مسجد

بدر پور، نئی دہلی۔ ۴۴

F-464, Jaitpur II, Near Khajuri Masjid

Badarpur, New Delhi.110044

E-Mail-khizrerah@gmail.com

Mob:09312922953

نوشین حسن

فاطمہ کی تسبیح

ام المؤمنین حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی بیوی تھیں جو آپ سے بہت محبت اور لگاؤ رکھتی تھیں۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ہر دکھ سکھ میں رحمت دو عالم علیہ الصلاۃ والسلام کے ساتھ رہیں، خواہ اعلان نبوت سے پہلے کا معاملہ ہو یا اعلان نبوت کے بعد کا۔ جب کبھی حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی صدمہ پہنچتا، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بڑی محبت کے ساتھ آپ کی دلجوئی کرتیں اور ہمت وحوصلہ سے کام لینے کا مشورہ دیتیں۔

چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم، ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی ہمدردی اور محبت کا ذکر ان کی وفات کے بعد بھی اکثر کیا کرتے تھے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اپنی ماں کی طرح نبی کونین صلی اللہ علیہ وسلم سے بے انتہا محبت اور لگاؤ رکھتی تھیں۔ دشمنوں کی تکالیف کے سبب جب کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کبیدہ خاطر ہوتے تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی آب دیدہ ہو جاتیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنے لخت جگر سے اتنی ہی محبت فرماتے تھے اور اپنی پیاری بیٹی کو تکلیف میں دیکھنا پسند نہیں فرماتے تھے، لیکن جب تقویٰ وطہارت کی بات آتی اور عبادت وریاضت کا معاملہ ہوتا تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم بڑی شفقت کے ساتھ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ہمیشہ یادالٰہی اور ذکر الٰہی میں مصروف رہنے کی تلقین فرماتے اور سلیقہ شعار و فرمانبردار بیٹی بھی اپنے شفیق ترین باپ کی بات ماننے میں ذرا بھی تامل نہیں کرتیں۔ اس طرح ایک طرف حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اپنے ابا حضور سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم پر فخر کرتیں اور دوسری طرف سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مثالی لخت جگر پر ناز فرماتے۔ ایسا کیوں نہ ہو کہ جس طرح دونوں عالم کے سردار حضور صلی اللہ علیہ وسلم گھریلو کام کاج بذات خود کیا کرتے، بعینہ شہنشاہ کونین کی پیاری بیٹی بھی اپنا گھریلو کام بذات خود انجام دیتی تھیں، یہاں تک کہ چکی پیسنے میں ان کے ہاتھ بھی چھل جایا کرتے تھے، آیئے اس کا ایک نمونہ دیکھتے ہیں:

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک مرتبہ کچھ باندیاں لائی گئیں، (ادھر چکی پیسنے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی کے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے تھے) اس لیے میں نے ان سے کہا کہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر گھر کے کام کاج کے لیے ایک باندی طلب کر لیجئے۔

چنانچہ وہ تین مرتبہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئیں مگر ملاقات نہ ہو سکی۔ بعد نماز عشا جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مکان پر تشریف لائے تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ان کی آمد کا تذکرہ کیا، آپ اسی وقت ہمارے یہاں تشریف لائے۔ بعد اجازت مکان میں داخل ہوئے۔ ہم دونوں بستر پر لیٹ چکے تھے۔ میں بستر سے اٹھنا چاہا مگر اس شب میں سردی چونکہ شدید تھی، اس لیے

اٹھنے سے روک دیا اور فرمایا کہ جیسے لیٹے ہو ویسے ہی لیٹے رہو۔ پھر اپنی صاحبزادی سے فرمایا کہ آج ہمارے یہاں کس ضرورت سے جانا ہوا تھا؟

عرض کیا: یا رسول اللہ! چکی پیسنے سے میرے دونوں ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے ہیں، گھریلو کام کاج میں بڑی تکلیف ہوتی ہے، تو میں اس لیے حاضر ہوئی تھی کہ کوئی باندی عطا فرمادی جائے۔

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا اس سے بہتر چیز نہ بتادوں؟ عرض کیا: ہاں، ارشاد فرمایئے!

اس پر حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب بستر پر لیٹو تو چونتیس (۳۴) بار اللہ اکبر اور تنتیس (۳۳) بار سبحان اللہ اور تنتیس (۳۳) بار الحمد للہ پڑھ لیا کرو، جو چیز تم نے طلب کی تھی اس سے یہ بہتر ہے۔

مسلم خواتین خصوصیت کے ساتھ اس واقعہ پر غور کریں کہ ان کی دنیوی اور دینی زندگی دونوں کے لیے اس میں کتنی بہترین ہدایت موجود ہیں، جیسے:

۱۔شوہر، بیوی کو چاہئے کہ آپس میں ایک دوسرے سے بے لوث محبت کرے۔ ہر کوئی ایک دوسرے کے دکھ سکھ کا بہترین ساتھی بنے۔ ایک دوسرے کی عزت واحترام کا خیال رکھے اور کوئی ایسی بات نہ پیدا ہونے دے جو ایک دوسرے پر گراں گذرے۔

۲۔اولاد اپنے والدین سے محبت کرے اور والدین بھی اپنی اولاد سے پیار کریں اور ہر کوئی ایک دوسرے کے پسند وناپسند اور بھلائی کا خیال رکھے۔ اگر والدین کوئی بات کرنے کو کہیں تو نرمی اور مشفقانہ رویہ اختیار کریں۔ اسی طرح اولاد پر ضروری ہے کہ وہ والدین کی بات کو غور سے سنیں اور کوئی ایسی چیز کی طلب یا اسے پانے کے لیے ضد نہ کرے جو والدین کے لیے ناگوار ہو۔

۳۔شوہر کی مالی حالت اگر خادمہ رکھنے کی اجازت نہ دیتی ہو تو بیوی کا فرض ہے کہ گھر کا کام خود انجام دے۔ شوہر سے بیجا مطالبے نہ کیے جائیں جیسا کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عمل کر کے بتایا کہ سب کام اپنے ہاتھ سے انجام دیے۔۔۔ یہاں تک کہ چکی بھی پیسی۔

۴۔گھر کے کام کرنے سے تکلیف ہوتی ہو یہاں تک کہ ہاتھوں میں چھالے پڑ جانے کی نوبت بھی آجائے تو عالی ظرف اور نیک بیبیاں زبان پر حرفِ شکایت بھی نہیں لاتیں، چہ جائیکہ روٹھ کر کام کاج چھوڑ دیں، مائیکے چلی جائیں اور اپنے شوہر کو اپنی نازیبا حرکتوں سے تکلیف پہنچائیں، بلکہ ایسے وقت میں صبر و سکون سے کام لینا چاہیے جیسے کہ سردار عرب وعجم صلی اللہ علیہ وسلم کی چہیتی صاحبزادی نے اس کا عملی نمونہ پیش کر کے دکھا دیا۔

۵۔شوہر کا بھی فرض ہے کہ بیوی کی آسائش وراحت کا خیال رکھے اور اس کی تکالیف دور کرنے کے لیے، ہر ممکن کوشش کرے اور مناسب تدابیر اختیار کرتا رہے جیسا کہ شیرِ خدا حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنے عمل سے بتایا اور باندیوں کے آنے کی اطلاع پا کر حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو مشورہ دیا کہ حاضر بارگاہ ہو کر باندی کے لیے درخواست پیش کریں تا کہ تکالیف سے نجات ملے۔

+++

ابوزوبیہ

تصویر کائنات

اللہ تعالی نے حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام کو پیدا فرمایا اور جنت میں رہنے کا حکم دیا۔ کچھ دنوں کے بعد انھیں بے چینی سی ہوئی اور اجنبیت کا احساس ستانے لگا تو انھوں نے اللہ تعالی سے دعا مانگی کہ اے اللہ! مجھے ایک مونس وغمخوار دے تا کہ میری طبیعت کو سکون نصیب ہو۔ چنانچہ خالق کائنات جل شانہ نے حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام کی بائیں پسلی سے حضرت حوا علیہا السلام کو پیدا فرمایا اور جنت میں ان کا ساتھی بنایا۔ پھر وہ دونوں دنیا میں بھیجے گئے اور یوں ان کی اولاد دنیا میں پھیلتی چلی گئی۔

دنیا میں آنے کے بعد نسل انسانی کا فروغ شروع ہوا۔ انسانی آبادی بڑھنے لگی۔ زندگی گذارنے کے بہتر سے بہتر وسائل پیدا ہونے لگے۔ ایک سے بڑھ کر ایک طرز زندگی اپنائے جانے لگے، لیکن جیسے جیسے زندگی ترقی سے ہمکنار ہوتی گئی ویسے ویسے کچھ ایسے مسائل اور مشکلات بھی سامنے آتے گئے جن سے ہر کسی کا سامنا ہوتا ہے۔ ان تمام چیزوں سے قطع نظر عورتوں کے سامنے جو مسائل آئے وہ انسانی معاشرے کے لیے کسی ناسور سے کم نہیں۔ خواہ ان کے ذاتی مسائل ہوں، عائلی مسائل ہوں، ازدواجی مسائل ہوں، معاشی مسائل ہوں یا پھر دیگر کوئی مسائل۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ عورتوں کے یہ مسائل کیسے دور ہوں گے؟ انھیں دور کون کرے گا اور کس نہج سے ان مسائل کو دور کیا جا سکتا ہے؟

اس سلسلے میں میرا ماننا ہے کہ چند ایک مسئلوں کو چھوڑ کر بہت سے ایسے مسائل ہیں جنھیں عورتیں اگر چاہ لیں تو وہ خود دور کر سکتی ہیں اور اس کے لیے انھیں کہیں دور جانے کی ضرورت نہیں ہے، بس ذرا فکر وسوچ میں تبدیلی لانی ہوگی اور فکر اسلامی سے غذا لینا ہوگا۔ عام طور پر عورتوں کی زندگی دو طرح سے گذرتی ہے:

شادی سے پہلے کی زندگی

ماں باپ کے گھر کی زندگی، جہاں اس کا بچپن گذرتا ہے، وہ تعلیم وتربیت پاتی ہے اور بڑی ہوتی ہے۔ یہاں اسے رشتے کی شکل میں مختلف لوگوں سے ملاقات ہوتی ہے۔ کوئی بھائی ہے تو کوئی بہن ہے۔ کوئی ماں ہے تو کوئی باپ ہے، غرضیکہ مختلف رشتوں کے بیچ اسے رہنا پڑتا ہے اور ہر ایک کے ساتھ وہ بڑی آسانی سے اپنی زندگی گذارتی ہے۔ کسی سے کوئی ایسی بات نہیں ہوتی جو الجھن کا باعث ہو۔ اس کے دو اسباب ہیں:

۱۔ انھیں ہر کسی سے پورا پورا تعاون ملتا ہے اور وہ بھی سب سے گھلی ملی رہتی ہے۔

۲۔ خدانخواستہ کوئی بڑی غلطی بھی ہو جاتی ہے تو اسے نظر انداز کر دیا جاتا ہے یا پھر اگر والدین کی طرف سے کوئی سختی ہوتی ہے تو لڑکی یہ گمان کر کے برداشت کر لیتی ہے کہ چلو! کوئی نہیں گھر کے بڑے بزرگ ہی تو ہیں۔ اتنا حق تو انھیں ملنا ہی چاہئے۔

دنیاوی اعتبار سے دیکھا جائے تو شادی سے پہلے کی زندگی ایک عورت کے لیے بڑی جانگسل ہوتی ہے۔ خاص کر آج کی

ہوس پرست دنیا میں توعورتوں کی زندگی اور بھی مشکل ہوگئی ہے۔ ان مشکلات سے نکلنا مشکل تو ہے لیکن ناممکن نہیں، بشرطیکہ دنیا کی برائیوں سے خود کو پاک رکھنے کے لیے ان مقدس عورتوں کی زندگی سے روشنی حاصل کی جائے جنھوں نے عورت ہونے کے باوجود نفس کی پاکیزگی کا مظاہرہ کیا ہے اور معرفت الٰہی کا نمونہ بن کر دکھایا ہے، جن کی گود میں انبیاومرسلین علیہم الصلوۃ والسلام اور اولیائے کرام علیہم الرحمہ نے تربیت پائی ہے، جن کی راتیں یادالٰہی میں اور دن خدمت خلق میں گذرا ہے۔ حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا کی زندگی سے نور لینا ہوگا جو ظلمت اور تاریکی میں رہنے کے بعد بھی اپنے ایمانی نور کو پراگندہ نہ ہونے دیا اور حضرت رابعہ بصریہ رضی اللہ عنہا جیسی عظیم ہستی سے، شرم وحیا اور عفت وپاکدامنی کی بھیک مانگنی ہوگی۔ جن کی نظر کسی اجنبی شخص پر پڑ جاتی تو بے ہوش ہوجاتی تھیں۔

شادی کے بعد کی زندگی

یہ عورت کی زندگی میں سب سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔ ایک طرح دیکھا جائے تو شادی کے بعد کی زندگی ''پل صراط'' کی مانند ہے۔ اسے پار کرنے میں کافی سمجھ بوجھ کی ضرورت ہوتی ہے۔ ذرا سا بھی بیلنس بگڑا مانو گئے کام سے۔ حالانکہ انسان تو ویسے ہی ہوتے ہیں جیسے انھوں نے اپنی پہلی زندگی میں دیکھے تھے، بس تھوڑا سا فرق ہوتا ہے کہ وہ میکے والے کہلاتے ہیں اور یہ سسرال والے۔

یہاں بھی اگر عورت تھوڑی سی عقلمندی کا ثبوت دے اور سسر کو اپنے باپ کی جگہ، ساس کو اپنی ماں کی جگہ رکھے، دیور کو اپنا بھائی، نند کو اپنی بہن اور شوہر کو شوہر ہی سمجھے تو بہت ساری الجھنوں سے بچا جا سکتا ہے۔

اسی طرح سسرال والے بھی ایک عورت کو اگر وہی محبت اور ہمدردی دیں جو اسے اپنے میکے میں میسر تھی تو پھر کوئی پریشانی کی بات ہی نہیں ہوگی اور زندگی گذارنا بڑا آسان ہوجائے گا۔ ایک بات اور جو عام طور پر عورتوں میں دیکھی جاتی ہے کہ وہ سسرال کی ہر چیز اور ہر معاملے کو اپنے میکے سے موازنہ کرتی ہیں جو نہایت غلط ہے۔ یہ بہت سی برائیوں کو جنم دیتی ہے۔ اگر وہ کچھ بھی نہ کرے محض اپنے شوہر کی خوشی کا ہی خیال رکھے تو سسرال میں وہ ایک اچھی اور مثالی زندگی بسر کر سکتی ہے۔

علاوہ ازیں وہ ان برگزیدہ عورتوں کی ازدواجی زندگی کے نور سے اپنی ازدواجی زندگی کو روشن کرے جن کی پہچان ایک مکمل بیوی کے روپ میں ہوتی ہے۔ جنھوں نے شوہر کی محبت کو اپنا ایمان اور ان کی دلجوئی کو عبادت سمجھ کر ادا کیا ہے۔ کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہے، پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ازدواجی زندگی سامنے ہے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا شمار مکہ کے گنے چنے دولتمندوں میں ہوتا تھا، لیکن شوہر سے محبت وہمدردی اور دلجوئی کا جو سلوک انھوں نے کیا اس کی مثال کہیں نہیں مل سکتی۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے شوہر کی جو خدمت کی ہے اور تنگ دستی میں جو صبر وتحمل کا مظاہرہ کیا ہے وہ بھی مثالی ہے۔

کیا کوئی اس کا بدل پیش کر سکتا ہے؟ اس لیے عورتوں کو چاہئے کہ اپنی عائلی، خانگی اور معاشرتی زندگی کو بہتر سے بہتر بنانے کے لیے، عظیم اسلامی عورتوں کی زندگی کو اپنا نمونہ بنائیں اور دنیا وآخرت میں کامیابی کے لیے ان کے اخلاق وکردار کی ضیاؤں سے اپنے بے رنگ زندگی میں چار چاند لگائیں، تبھی جا کر علامہ اقبال کا یہ کہنا درست ہوگا کہ:

وجود زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ

☆☆☆

شاکر عالم

بچوں کی تربیت

انسانی زندگی کو بنیادی طور پر تین حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ بچپن، جوانی اور بڑھاپا۔ بچپن حقیقت میں بہت ہی شاہانہ اور حسین ہوتا ہے۔ اس کی وجہ شاید لا ابالی پن، بے نیازی اور بے فکری ہوتی ہے، لیکن شیر خواری جو کہ دو سے ڈھائی سال کا زمانہ ہوتا ہے۔ اس مدت میں جسم بڑی تیزی سے نشو و نما پاتا ہے اور طبیعت کے ساتھ اندرونی و بیرونی اعضاو جوارح اور خدو خال میں کافی تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں۔ ایسے حالات میں بچوں کی صحت و تندرستی بہت ہی اہمیت رکھتی ہے۔ چنانچہ والدین کو ان سبھی باتوں پر توجہ دینا نہایت ضروری ہے جو بچے کی صحیح تربیت و پرورش میں معاون ثابت ہوسکتی ہیں۔

بچوں کا کھان پان

چونکہ بچوں کی پرورش و پرداخت ایک اہم فریضہ ہے۔ اس لیے وہ والدین سے ضبط نفس، خواہشات کی قربانی اور جان و مال کا ایثار چاہتا ہے۔ خود غرض، نفس پرست لوگ جو اپنی انفرادیت اور جسمانی و ذہنی سہولت کے مکمل طور سے عادی ہو چکے ہیں وہ اس فریضے کی انجام دہی کے لیے کسی طرح راضی نہیں ہوتے، مگر جو ماں باپ اپنے بچوں کی بھلائی اور سچی خوشی چاہتے ہیں۔ اپنے بچوں کو خوش رکھنا اور انھیں کامیاب و کامران بنانے ہی میں فخر و عزت محسوس کرتے ہیں۔ وہ اپنے بچوں کے لیے قیمتی سے قیمتی چیز قربان کر دیتے ہیں اور اپنے بچوں کا مستقبل سنوارنے میں سرگرداں رہتے ہیں، تبھی یہ بچے اپنے ماں باپ کے لیے بڑھاپے کا سہارا، دنیا میں صدقۂ جاریہ اور آخرت میں مغفرت و بخشش کا سامان بنتے ہیں۔

لیکن جو والدین خاص طور سے مائیں اپنے بچوں کی صحیح تربیت نہیں کرتیں۔ اپنا دودھ جو کہ ہر بچے کا پیدائشی حق ہے، نہ دے کر بچوں کو ڈبے کا دودھ پلاتی ہیں۔ بچے کو قدرتی غذائیں دینے کے بجائے بازاری اور ریڈی میڈ بے بی فوڈس وغیرہ کھلاتی ہیں وہ ان بچوں کے حقوق مارنے کے ساتھ؛ ان کی صحت سے بھی کھلواڑ کرتی ہیں، کیونکہ جتنی اچھی صحت ماں کے دودھ پینے سے بچوں کو حاصل ہوتی ہے وہ کسی بھی اچھے سے اچھے بازارو کھانے اور دودھ سے حاصل نہیں ہوسکتی ہے۔ اس کے برخلاف بازارو کھانے اور ڈبے کا دودھ پینے سے بچوں کو ذہنی، فکری اور جسمانی طور پر کمزوری لاحق ہوجاتی ہے۔ ماہر ڈاکٹروں کا کہنا ہے:

بچے کی صحت و تندرستی سب سے زیادہ اہم ہے۔ اس لیے بچوں کو دی جانے والی خوراک اور غذاؤں پر خاطر خواہ توجہ دینا ضروری ہے۔ ایک نوزائیدہ بچے کے لیے اس کی ماں کا دودھ کائنات میں مناسب اور مقوی غذا ہے۔ ماں کا دودھ بچوں کی جسمانی و ذہنی نشو و نما کے لیے بے حد مفید اور سودمند

ہے۔اس بات پر سبھی ڈاکٹروں کا اتفاق ہے کہ ایک بچے کے لیے ماں کے دودھ سے بڑھ کر کوئی ٹانک نہیں ہے۔البتہ جب بچہ کچھ بڑا ہو جائے اور چند مہینے کا ہو جائے تو اسے گھر کی بنائی ہوئی چیزوں میں سے تھوڑا تھوڑا کھلانا شروع کر دینا چاہیے۔

مثال کے طور پر دال کا پانی، کھیر، دلیہ اور روٹی کی اوپری باریک پرت کو پانی یا دال کے پانی میں بھگو کر بچے کے منہ میں دیں اور آہستہ آہستہ سادہ بسکٹ وغیرہ کھلانے کی عادت ڈالیں، بلکہ جیسے جیسے بچے کی عمر میں اضافہ ہوتا جائے ویسے ویسے اس کی خوراک میں چاول، گیہوں اور جو کے بنے ہوئے کھانے بھی شامل کر سکتے ہیں تاکہ بڑا ہونے کے ساتھ ساتھ بچوں کو اناج اور گھریلو کھانا کھانے کی عادت ہو جائے۔ اسی طرح بکری اور گائے کا نیم گرم دودھ پلانے کی عادت ڈالیں اور اگر بچے کی صحت کچھ زیادہ ہی کمزور اور لاغر ہے تو ماہر تجربہ کار ڈاکٹروں کی رائے لے کر کچھ وٹامن والی خوراک اور ٹانک والی چیزیں وقت وقت سے ضرور دیں۔

ویسے ماں کے دودھ میں ہر طرح کے وٹامن خاطر خواہ مقدار میں موجود ہوتا ہے۔اللہ تبارک وتعالیٰ ماں کے دودھ میں ہر ضروری نیوٹریشن (Nutrition) اور بنیادی مناسب غذائیں قدرتی طور پر عطا فرماتا ہے جو ہر بچے کے لیے بہت مفید اور صحت بخش ہیں۔

بچے کی صحت کے ساتھ اس کی بنیادی ضروریات میں اچھی زبان، عمدہ اخلاق اور اعلیٰ تعلیم کو شمار کرایا گیا ہے۔ یہ بات ذہن میں رہے کہ ہر بچے کے لیے ماں کی شفقت بھری گود سب سے پہلا اسکول ہے جہاں پہلے پہل اس کی تربیت ہوتی ہے اور یہ حقیقت ہے کہ جس ماحول میں بچہ پھلتا پھولتا اور نشوونما پاتا ہے اس کا اثر اس کے ذہن و دماغ اور جسم پر ضرور پڑتا ہے۔اس لیے بچے کے آس پاس کا ماحول بھی بہتر ہونا ضروری ہے۔ بچے کے والدین اور پرورش کرنے والوں کے علاوہ اس کے خویش واقارب بھی بچوں کے ذمے دار ہیں۔

چنانچہ بچوں کی تربیت سے لے کر ان کی تعلیم تک بڑا دھیان دینا ہوتا ہے، کیونکہ اس دوران بچے ہر اس عمل کا اثر قبول کر لیتے ہیں جسے وہ اپنے اردگرد دیکھتے اور سنتے ہیں۔ اگر بچہ بدزبانی، بداخلاقی اور بدچلنی کا مظاہرہ کر رہا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ یہ سب وہ اپنے احباب واقارب سے سیکھ کر کر رہا ہے۔ چونکہ بچے جو سنتے ہیں وہی دہراتے اور بولنے کی کوشش کرتے ہیں، اسی طرح جو دیکھتے ہیں وہی کرنا چاہتے ہیں ۔ بچوں کی قوت باصرہ اور سامعہ (دیکھنے اور سننے کی قوت) بچپنے میں تیزی سے کام کرنے لگتے ہیں اور اسی قدر بچوں پر اثرات بھی مرتب ہوتے ہیں۔ اس لیے بچوں کے سلسلے میں جو بھی طریقے اپنائے جائیں اس کے ہر مثبت و منفی پہلو پر نگاہ رکھنا اشد ضروری ہے۔

☆☆☆

آفتاب مصباحی

خواتین کی تعلیم کے اثرات

علم ایک نور ہے،علم ایک قیمتی موتی ہے، ایک روشن چراغ ہے،ایک سمندر ہے،ایک کھلتا گلاب ہےاورعلم ایک گم شدہ حکمت ہے جس سے فکر کو روشنی ملتی ہے۔جو گلے کا ہار بنتا ہے،تاریکی دور کرتا ہے،جس سے قسم قسم کی نعمتیں حاصل ہوتی ہیں،جس کی خوشبو سے ماحول اور معاشرہ خوشبو دار بن جاتا ہے۔جس پر مومن کا فطری حق ہے۔اس لیے اس کی تلاش مومن کی فطری ذمہ داری ہے۔

علم کی اہمیت وافادیت کا اندازہ ہمارے آخری پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام پر نازل ہونے والی پہلی وحی سے کیا جا سکتا ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کے نام سے پڑھنے کو کہا گیاہےاورتعلیم کی اہمیت اوراس کی افادیت مسلم ہےجس کے بغیر ہم خدا کونہیں پہچان سکتے۔اس مقصد کی تکمیل کے لیے تعلیم کا جوسلسلہ روزاول سے شروع ہواوہ آج بھی بدستور جاری ہے۔

حالانکہ مسلمان بھی علم کی جانب کافی حد تک توجہ دے رہے ہیں لیکن مسلم بچیوں اور خواتین میں تعلیم وتربیت کی صورت حال اب بھی بہتر نہیں۔عورتوں کی تعلیم کی اہمیت کا اندازہ اس طور پر کیا جا سکتا ہے کہ ماں کی گود کو بچوں کے حق میں ابتدائی مکتب کا درجہ حاصل ہے۔اس لحاظ سے دیکھا جائے تو عورتوں کی تعلیم میں یقینا ملک و ملت اورسماج و معاشرے کی کامیابی کا راز پوشیدہ ہے۔

خواتین اگر تعلیم یافتہ ہوں گی تو خود بھی اچھے ماحول میں زندگی بسر کریں گی اوراپنے بچوں کو بھی ابتدا سے ہی دینی باتیں یعنی کلمہ، درود، سلام، بڑوں کا ادب اوران کی تعظیم کے آداب سکھائیں گی۔یوں بچوں کی تربیت دینی ماحول میں ہوگی۔نئی نسلوں میں تعلیم عام ہوگی اورعلمی ماحول پروان چڑھے گا۔

عورتوں کی تعلیم وتربیت کا ایک بڑا فائدہ یہ بھی ہے کہ وہ عورتوں کے مسائل کو ایک عورت کی نظر سے دیکھے گی اوران مسائل کے حل کی کوشش بھی کرے گی جو خواتین کی نفسیات کے مطابق اور ہم مزاج ہوگا۔ساتھ ہی تعلیم یافتہ خاتون عورتوں کے ان مسائل کا حل بآسانی تلاش سکے گی جس میں عام طور سے مرد کے لیے رکاوٹیں ہوسکتی ہیں۔

ایک تعلیم یافتہ عورت کے ذریعے سے معاشرے میں جو اصلاح کا کام ہوسکتا ہے وہ غیر معمولی ہے۔اگر ہم اس کے تمام پہلوؤں پر غور کریں اور جائزہ لیں تو سمجھ میں آتا ہے کہ اگر اس عورت کا شوہر اخلاقی ، دینی اور تعلیمی کمزوریوں میں مبتلا ہےتو ایک تعلیم یافتہ عورت بحسن وخوبی اس کی اصلاح کرسکتی ہے،وہ بھی ایک خوشگوار ماحول میں جو شوہر کی زندگی میں ایک صالح انقلاب پیدا کرے گا۔اسی طرح وہ عورت اپنے بچوں کی، خواتین رشتہ داروں کی، سہیلیوں کی اور خاندان کی تربیت و اصلاح کے فرائض انجام دے سکتی ہے اور ہر ایک کے نتائج و

ثمرات جداگانہ ہوں گے۔ جس سے گھر، خاندان اور پڑوس کا ماحول، علمی اور دینی ہو جائے گا اور یہی چیزیں خاندان اور معاشرے کو خوبصورت اور قابل قدر بنانے کی بنیادیں ہیں۔ جب بنیاد مضبوط اور مستحکم ہوگی تو ایسے میں دنیا کے سامنے ایک مثالی معاشرہ نمونہ کے طور پر پیش کیا جاسکتا ہے۔

تعلیم یافتہ خاتون اپنے ضروری مشغولیات سے فراغت کے بعد بقیہ اوقات کو یونہی دنیاداری اور مافوق الفطرت قصے، کہانیوں اور دوسروں کی برائی کرنے میں گذارنے کے بجائے اللہ اور رسول کی باتیں کریں گی۔ صحابیات کی حالات زندگی اور ان کے روشن و تابناک کارنامے سنائے گی جس کا اثر خود ان کی زندگی پر بھی ہوگا۔ پھر دوسروں کی ذات میں کیڑے نکالنے کی بجائے ذاتی خرابیوں کی جانب توجہ کریں گی اور خود کو ان تمام برائیوں سے پاک وصاف کرنے کی ہر ممکن کوشش کرے گی جو کارِ ثواب بھی ہوگا اور دعوت وتبلیغ کا عمل بھی۔ ان کا اٹھنا بیٹھنا، کھانا پینا غرض کہ ہر عمل وحرکت میں اسلامی افکار اور دینی نظریات کی چمک دمک صاف دکھائی دے گی۔

نیز پڑھی لکھی خواتین اپنے معاشرے اور سماج کی بزرگ اور عمر رسیدہ خواتین میں تعلیمی بیداری کا جوکھم بھرا کام بڑے ہی آسانی سے انجام دے سکتی ہیں۔ جہاں ایک دوسرے سے پردے وغیرہ کا کوئی مسئلہ نہیں ہوگا۔ نماز روزہ، حج اور زکوۃ کے مسائل سمجھانے کے لیے ہفتہ وارانہ نشستیں بھی کرسکتی ہیں جن کے ذریعے خواتین میں اللہ اور رسول کی عبادت اور محبت کا جذبہ پیدا ہوگا اور معاشرے میں اچھی زندگی گذارنے کا سلیقہ اور ہنر بھی آئے گا۔

سماج میں تعلیم نسواں کے جو مسائل ہیں یا جن مشکلات کا سامنا بچیوں کے والدین کو آئے دن کرنا پڑتا ہے۔ عورتوں کی تعلیم کے فروغ کے ذریعے ان مشکلات تک بآسانی پہنچا جا سکتا ہے اور ان مسائل کو بحسن وخوبی حل کیا جاسکتا ہے اور اس کے لیے بہتر سے بہتر طریقے اپنائے جاسکتے ہیں۔

اگر طبقہ خواتین میں تعلیم کا آغاز ہو اور اس پر مداومت بھی برتا گیا تو پھر اپنے گھر اور پاس پڑوس کے بچوں اور بچیوں میں ایک علمی انقلاب برپا ہو جائے گا، ایک دینی ماحول اور اسلامی فضا بنے گی، صالح معاشرے کا قیام عمل میں آجائے گا جس کا فائدہ براہ راست دنیا میں ملک، ریاست، ضلع، گاؤں اور محلے کو حاصل ہوگا اور بعد وفات خود خاتون کو اس کا اجر وثواب ملے گا۔

مذکورہ بالا خطوط پر اگر طبقہ خواتین میں تعلیم کا آغاز ہوا اور اس پر ہمیشگی برتی گئی تو پھر اپنے گھر اور پاس پڑوس کے بچوں اور بچیوں میں علمی انقلاب برپا ہو جائے گا، ایک دینی ماحول اور اسلامی فضا بنے گی، صالح معاشرے کا قیام عمل میں آئے گا جس کا فائدہ براہ راست ملک، ریاست، ضلع، گاؤں اور محلے کو حاصل ہوگا اور بعد وفات خود خاتون کو اس کا اجر وثواب ملے گا۔ جہالت کی تاریکی دور ہوگی اور چاروں طرف علم کی روشنی پھیلے گی۔ خدا کی معرفت اور اس کا خوف پیدا ہوگا۔ احکام خداوندی کی بجا آوری کا جذبہ پیدا ہوگا، معاشرے کی زبان پر فلمی گانوں کے بجائے حمد ونعت کے نغمے ہوں گے اور اس طرح سے دھیرے دھیرے سماج میں پھیلی ہوئی برائی، بے حیائی اور بدعملی کا خاتمہ بآسانی ہو جائے گا۔

☆☆☆

حمد باری تعالیٰ

داعئ اسلام شیخ طریقت شاہ احسان اللہ محمدی صفوی مد ظلہ العالی

الف سے اللہ اسمِ ذات ہے
با سے باقی اس کی صفات ہے

تا سے توبہ کر دنیا سے
ثا سے ثابت رہ مولیٰ سے

جیم سے جنت تیرا گھر ہے
حا سے حق کی چاہ اگر ہے

خا سے خدمت کر مرشد کی
خدا نما ہے اس کی ہستی

دال سے دل اللہ کا گھر ہے
ذال سے ذاکر قلب اگر ہے

را سے ریاضت کا پھل توڑو
زا سے زہدِ نفس نہ چھوڑو

سین سے سجدہ میں کھو جاؤ
شین سے شرک و دوئی مٹاؤ

صاد سے صوفی صافی ہوجا
ضاد سے ضعفِ ارادت بے جا

طا سے طاہر دیکھ سراپا
ظا سے ظہور اللہ کا جلوا

عین سے عینیت کو جگا دے
غین سے غیریت کو مٹا دے

فا سے فاقہ شانِ عبادت
قاف قناعت جانِ عبادت

کاف سے کافی اللہ اللہ
لام سے لاشک بے شک اللہ

میم محمد مرشد و رہبر
نون نبئ اول و آخر

واؤ وصی و نائب حیدر
ہا سے ہادی بعد پیمبر

یا سے یاور اللہ اللہ
شیخ سعیدؔ احسانؔ اللہ

فانی فی اللہ باقی باللہ
آیۃٌ من آیات اللہ

اچھے بچے

چاروں طرف سے آبادیوں کے بیچ ایک چھوٹے سے گاؤں میں ایک چوک ہے، جسے محرم کے مہینے میں احترام کی نظروں سے تمام لوگ دیکھتے ہیں کیوں کہ اس چوک پر تعزیہ کی رسم ادا کی جاتی ہے۔ بچوں کی بھیڑ شام کے وقت اس چوک کے ارد گرد جمع ہوتی ہے۔ کوئی گلی ڈنڈا کھیلتا ہے تو کوئی آنکھ مچولی، کوئی دوڑنے اور کودنے کا کھیل کھیل رہا ہے تو کوئی بوجھنے بوجھانے کا، کوئی گنتی گن رہا ہے تو کوئی پہاڑا۔

اسی بھیڑ میں احمد، کامران، ندیم، رخسانہ چاروں اچھے دوست تمام کھیلوں کی طرف سے اپنی توجہ ہٹا کر بات چیت کر رہے ہیں، احمد کہتا ہے:

بھائی! ابو کہتے ہیں کہ اللہ نے ایک قوم کو نافرمانی کی وجہ سے بندر بنا دیا اور ایک قوم کی پوری آبادی برباد کر دی گئی۔

اتنے میں ندیم کہتا ہے:

ہاں میں نے سنا ہے کہ ایک بار ایسا طوفان آیا کہ تمام سمندر اور دریا آپس میں مل گئے، کہیں کوئی زمین نہیں دکھائی دے رہی تھی۔ ایک کشتی پر اللہ کے حکم ماننے والے بندے سوار ہو گئے اور جب پانی کم ہوا تو دوبارہ اس زمین پر انسان آباد ہونے لگے۔

رخسانہ بہت غور سے ان باتوں کو سن رہی تھی کہ اسے کچھ اچانک خیال آیا، وہ بول پڑی:

جانتے ہو! میری والدہ کہتی ہیں کہ ماں کے قدموں کے نیچے جنت ہے۔ میں نے پوچھا کہ جنت تو مجھے دِکھتی نہیں؟ تو بولیں اس کا مطلب یہ ہے کہ ماں کی فرمانبرداری سے جنت ملتی ہے۔ کبھی بھی ماں کی نافرمانی نہیں کرنی چاہیے۔

کامران جواب تک خاموش ان باتوں کو سن رہا تھا بول اٹھا: میں نے سنا ہے کہ جہاں پر چند لوگ اچھی باتیں کرتے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں رحمت کی نظر سے دیکھتا ہے۔

یہ بات چل ہی رہی تھی کہ مغرب کی اذان ہوئی۔ سب نے بات چیت بند کی اور یہ کہتے ہوئے چل دیے کہ چلو اذان ہو گئی نماز پڑھیں۔

علی سعید

شاہ احسان اللہ محمدی صفوی

موجودہ ہندوستان میں جن روحانی سلسلوں سے آج بھی مخلوق خدا کی ایک بڑی تعداد وابستہ ہے اور جہاں سے دعوت وتبلیغ اور تزکیۂ نفس کا مقدس فریضہ بڑے پیمانے پر انجام پا رہا ہے، ان میں چشتیہ نظامیہ سلسلہ نمایاں ہے۔ ہندوستان کا کوئی ایسا گوشہ نہیں جہاں سلسلۂ چشتیہ نظامیہ کے بزرگوں کی روحانی شعاعیں موجود نہ ہوں۔ ان ہی بابرکت اور فیض رسا سلسلوں میں ایک ممتاز اور تاریخی خانقاہ صفی پور ضلع اناؤ کی ''خانقاہ عالیہ چشتیہ نظامیہ صفویہ'' ہے۔

اس خانقاہ کے مورث اعلیٰ حضرت مخدوم شیخ عبد الصمد عرف مخدوم شاہ صفی علیہ الرحمہ (وفات ۹۴۵ھ) ہیں۔ یہ اعلیٰ درجے کے صوفی اور خدا رسیدہ بزرگ تھے۔ بلگرام کے معروف محقق، عالم، صوفی، میر سید عبد الواحد بلگرامی علیہ الرحمہ، مخدوم شاہ صفی رحمۃ اللہ علیہ ہی کے تربیت یافتہ تھے۔ اسی میخانۂ عرفان کا ایک میکدہ ''خانقاہ عارفیہ'' سید سراواں، کوشامبی (الٰہ آباد) میں بھی آباد ہے، جہاں صبح وشام طریقت ومعرفت کے جام پلائے جاتے ہیں۔ اس کے روح رواں داعیٔ اسلام شیخ طریقت ابو سعید شاہ احسان اللہ محمدی صفوی چشتی ادام اللہ ظلہ علینا ہیں۔ یہ نہ صرف چشتیہ نظامیہ صفویہ کی روحانی وراثت کے سچے امین ہیں بلکہ آج بھی سلف صالحین کی امانت کو عام خلق خدا تک پہنچا رہے ہیں۔ بالفاظ دیگر ''میکدۂ چشتیہ نظامیہ صفویہ عارفیہ'' کے ساقی اور کاروان شوق کے سالار ہیں۔

ولادت باسعادت

شیخ طریقت ۱۹۵۸ء میں الٰہ آباد کے قدیم روحانی قصبہ سید سراواں شریف کے عثمانی گھرانے میں پیدا ہوئے۔ والد محترم کا نام حکیم آفاق احمد اور والدہ محترمہ کا نام شاہدہ بی بی تھا۔ انھوں نے اپنے اور اپنی اہلیہ کے ناموں کو ملا کر شیخ طریقت کا نام ''شاہد الآفاق'' رکھا اور کنیت ''ابو سعید'' تجویز کیا۔ شیخ طریقت کی ولادت سے پہلے آپ کے والد حکیم آفاق احمد نے ایک خواب دیکھا کہ سلطان الہند خواجۂ خواجگان خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے ایک نوران کے قلب میں داخل ہوا، پھر وہی نوران کی اولاد میں سے کسی ایک کے قلب میں منتقل ہو گیا۔ اس خواب کے چند ہی دنوں کے بعد آپ کی ولادت باسعادت ہوئی۔

تعلیم وتربیت

شیخ طریقت نے ابتدائی تعلیم جیسے ناظرۂ قرآن اور اردو کی بنیادی کتابیں وغیرہ گھر میں ہی اپنی خالہ محترمہ اور گھر کے دیگر اسلاف سے حاصل کی۔ جب کہ فارسی زبان علی ظہیر عثمانی علیگ سے پڑھی اور انگریزی جناب درویش نجف علیمی صاحب سے سیکھی۔ اس کے بعد ہائی اسکول (High School) لالہ پور ضلع الٰہ آباد سے پاس کیا۔ پھر اعلیٰ تعلیم کے لیے ۱۹۷۵ء میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں داخلہ لیا اور P.U.C پاس کیا اور اس کے بعد فارسی زبان میں بی اے میں داخلہ لیا۔

خلافت و سجادگی

آپ ابھی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں زیر تعلیم ہی تھے کہ ''خانقاہ عارفیہ عالیہ'' کے صاحب سجادہ اور آپ کے والد کے چچا حضرت شاہ ریاض احمد ملقب بہ شاہ احمد صفی علیہ الرحمہ نے مسند رشد و ہدایت کے لیے روحانی اشارات کی بنیاد پر آپ کا انتخاب فرمایا۔ سلطان العارفین شاہ عارف صفی محمدی علیہ الرحمہ کے عرس مقدس کے موقع پر ۱۷/ ذی القعدہ ۱۳۹۸ ہجری مطابق ۲۱/ اکتوبر ۱۹۷۸ کو بعد نماز مغرب بیعت فرمائی اور بعد نماز عشاء عرس کی روحانی تقریب میں اجازت و خلافت کے ساتھ سجادگی جیسی اہم ذمہ داری اور عظیم منصب سے سرفراز کیا۔

سفر حج و زیارت

۲۰۰۷ میں پہلی بار حج و زیارت کی غرض سے حرمین شریفین تشریف لے گئے۔ حج بیت اللہ کی سعادت سے بہرہ ور ہوئے اور بارگاہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و مسجد نبوی کی زیارت سے شرف یاب ہوئے۔ اب تک دو حج اور چھے عمرے کی سعادت سے سرفراز ہو چکے ہیں۔

خدمات و کارنامے

سجادگی کا عظیم منصب سنبھالنے کے بعد کچھ برسوں تک خود کو ذکر الٰہی اور عبادت الٰہی میں مصروف رکھا اور اطراف و جوانب میں وقتاً فوقتاً تبلیغی فریضے بھی انجام دیتے رہے لیکن پچھلے کچھ عرصے سے ملک و بیرون ملک میں تبلیغی خدمات کو اپنا وظیفہ بنائے ہوئے ہیں۔

۱۹۹۳ء میں اپنے آبائی وطن سید سراواں، کوشامبی میں ''جامعہ عارفیہ'' کے نام سے ایک دینی ادارہ قائم فرمایا جس میں منظم طور پر آج درجہ عالمیت تک کی تعلیم ہو رہی ہے۔ وقت کے پیش نظر دینی تعلیم کے ساتھ ایسا نصاب تیار کیا گیا ہے جس میں عصری علوم کو بھی خاصی اہمیت حاصل ہے۔ یہاں کے فارغین جامعہ ازہر اور دیگر یونیورسٹیز و جامعات میں داخلہ لے کر اس ادارے کا نام روشن کر رہے ہیں۔ اس کے علاوہ قابل ذکر پہلو یہ ہے کہ دینی و عصری علوم کے ساتھ ساتھ روحانی تعلیم کے ذریعے طلبہ کی بہترین تربیت بھی کی جاتی ہے۔ یہاں صبح میں بچوں کو جو ترانہ پڑھایا جاتا ہے اس کا واضح ثبوت ہے۔

شاہ صفی اکیڈمی کے تحت سال نامہ ''الاحسان'' پچھلے دو برسوں سے شائع ہو رہا ہے۔ یہ رسالہ علمی اعتبار سے ایک دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے۔ بالخصوص تصوف کے لحاظ سے یہ رسالہ علمی حلقوں میں کافی پسند کیا جا رہا ہے۔

آپ داعیٔ اسلام ہونے کے ساتھ عمدہ شعری ذوق بھی رکھتے ہیں جس کی مثال ''دیوان ابوسعید'' اور ''نغمات الاسرار فی مقامات الابرار'' ہے۔

ان میں انھوں نے اسلامی عقائد و تصوف کو بہت ہی اچھوتے انداز میں پیش کیا ہے۔ تربیت کی غرض سے شعر کے پیکر میں کہی ہوئی باتیں انمول خزانے کی حیثیت رکھتی ہیں:

ساز ہستی پردۂ الہام ہے
نغمہ تار نفس پیغام ہے

اللہ عز وجل کی بارگاہ میں دعا ہے کہ ان کے فیوض و برکات کا سلسلہ یوں ہی جاری رکھے۔ آمین

+++

محمد ساجد حسین

ماں باپ بڑی نعمت ہیں

اللہ تبارک وتعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر و احسان ہے کہ اس نے انسان کو دنیا کی بہترین نعمتوں سے سرفراز فرمایا ہے، ساتھ ہی ساتھ اسے مخلوق میں افضل و احسن بنایا ہے۔ اگر انسان اس کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہے تو شمار نہیں کرسکتا۔ ان ہی نعمتوں میں سے ایک بڑی نعمت والدین بھی ہیں جن کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے محبت و شفقت کی شکل میں عنایت فرمایا ہے۔ یہی نہیں بلکہ انھیں اولاد کا ایک اہم ذریعہ بھی بنایا ہے۔

والدین کی طرح مشفق اور مہربان انسان دنیا میں ملنا کافی مشکل ہے ۔ والدین کی محبت و شفقت بچپن سے لے کر جوانی تک بلکہ تا حیات باقی رہتی ہے۔ یہ والدین ہی ہیں جو اپنی اولاد کو کسی پریشانی میں دیکھتے ہیں تو ان کا کلیجہ دہل جاتا ہے اور اپنی اولاد کو پریشانی سے چھٹکارا دلانے کے لیے اپنی جان و مال تک قربان کر دیتے ہیں، پھر انسان اپنے والدین کی فرمانبرداری کیوں نہ کرے؟

اللہ تبارک وتعالیٰ نے والدین کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنے کی سخت تاکید فرمائی کہ: اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو، ان سے اچھا برتاؤ کرو اور ان کی فرمانبرداری کرو۔

اس لیے انسان کو چاہیے کہ والدین کی فرمانبرداری اور ان کی خوشنودی حاصل کر کے اللہ تبارک وتعالیٰ کی رضا مندی حاصل کرے۔ چونکہ جس انسان پر والدین کا سایہ رحمت بن کر رہتا ہے تو وہ انسان، اس کے ذریعے دنیا کے مشکل سے مشکل کاموں کو حل کرنے کی صلاحیت اپنے اندر پاتا ہے اور دنیا اسے عزت کی نظر سے دیکھتی ہے۔ چنانچہ جو شخص اپنے ماں باپ کے ساتھ نیک برتاؤ کرتا ہے، ایسے خوش نصیب انسان کے لیے جن و انسان تو کیا فرشتے بھی دعا کرتے ہیں اور فریاد کرتے ہیں کہ اے مولیٰ! اس شخص پر رحمت نازل فرما جیسا کہ اس نے اپنے والدین پر رحم کیا اور ان کی خدمت کی۔

جب اللہ رب العزت نے "اُف" تک کہنے کی اجازت نہیں دی ہے اور بڑی سختی سے روکا ہے تو پھر والدین کے ساتھ بدسلوکی کو وہ کیسے برداشت کرے گا۔ ایسا کرنے والے نہ صرف دنیا میں ذلیل و رسوا ہوتے ہیں بلکہ ان کے لیے آخرت میں بھی ہلاکت ہے۔

اللہ رب العزت نے قرآن مقدس کے پندرہویں پارے میں ارشاد فرمایا کہ:

تمھارے رب نے حکم دیا کہ اس کے علاوہ کسی کو نہ پوجو اور اپنے والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرو ۔ اگر تیرے سامنے ان میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو انھیں اُف تک نہ کہو۔

مگر افسوس ہے ان اولاد پر جو والدین کے ساتھ اچھے برتاؤ کی بجائے انھیں گھر سے نکالنا، تکلیفیں دینا اور ان کے ساتھ دیگر غیر اخلاقی باتوں کا مظاہرہ کرنا اپنا معمول بنا لیا

ہے۔ ایسی اولاد کو اس آیت مبارکہ سے عبرت حاصل کرنی چاہیے کہ جب اللہ رب العزت نے ''اُف'' تک کہنے کی اجازت نہیں دی ہے اور بڑی سختی سے روکا ہے تو پھر والدین کے ساتھ بدسلوکی کو وہ کیسے برداشت کرے گا۔ ایسا کرنے والے نہ صرف دنیا میں ذلیل و رسوا ہوتے ہیں بلکہ ان کے لیے آخرت میں بھی ہلاکت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جہاں اپنی عبادت کا حکم دیا ہے وہاں یہ بھی فرمایا ہے کہ والدین کی نافرمانی سے بچو، ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو اور انھیں کسی قسم کی کوئی تکلیف نہ دو۔ جو والدین کی عظمت کی دلیل ہے۔

والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کوئی ایسا کام نہ کیا جائے جس سے ان کو تکلیف پہنچے اور اپنی جان و مال ہر طرح سے ان کی خدمت کی جائے۔

حدیث شریف میں بھی والدین کے ساتھ اچھے برتاؤ کی بہت تاکید آئی ہے، چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنے والدین کو ستائے گا وہ جنت کی بو نہیں پائے گا۔

اس سے پتہ چلا کہ جو شخص والدین کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے گا وہ جنت کی خوشبو سے محروم نہ رہے گا۔

ایک اور حدیث شریف ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور عرض کی: یارسول اللہ! والدین ہمارے لیے کیا ہیں؟ تو رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ تمہارے لیے جنت بھی ہیں اور دوزخ بھی، یعنی اگر تم نے اپنی زندگی میں انھیں کوئی تکلیف نہ دی، ان کی ہر حاجت پوری کی اور ان کو خوش اس لیے رکھا کہ اللہ اور رسول کی خوشنودی حاصل ہو جائے تو وہ تمہارے لیے جنت ہیں اور اگر تم نے انھیں اپنی زندگی میں تکلیف دی، ان کی خدمت نہ کی اور ان سے جدا ہو کر لوگوں سے میل جول رکھا تو جان لو کہ وہ تمہارے لیے جنت کے بجائے جہنم ہیں۔

اللہ تعالیٰ تمام انسانوں کو والدین کی نافرمانی سے بچائے اور تاحیات ان کی دل جوئی کی توفیق بخشے۔ (آمین)

+++

خشوع وخضوع

نماز صحیح معنوں میں وہی ہوتی ہے جس میں نمازی کو معلوم ہی نہ ہو کہ اس کے دائیں جانب کون ہے اور بائیں جانب کون؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ نماز میں اپنی داڑھی کے ساتھ کھیل رہا ہے۔ یہ دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر اس کے دل میں خشوع ہوتا تو اس کے اعضا میں خشوع پایا جاتا۔

محمد افضل حسین

سیاست اور امارت

اسلام ایک عالم گیر مذہب ہے۔ اس کے تمام اصول و قوانین قرآن و سنت اور اجماع امت سے ماخوذ ہیں جو بندوں کا تعلق خدا سے جوڑتے ہیں۔ اسی کے سامنے سر بسجود ہونے کی دعوت دیتے ہیں۔ لوگوں کے باہمی حقوق کی ادائیگی پر زور دیتے ہیں اور پوری انسانیت کو ایک خدا کی حاکمیت تسلیم کرنے کی تلقین کرتے ہیں، کیوں کہ اقتدار اعلیٰ صرف اور صرف خالق کائنات ہی کے لیے ہے اور وہی سب سے بڑا بادشاہ ہے۔ اس کا بنایا ہوا قانون پوری انسانیت کے لیے کافی ہے، لیکن اس خدائی احکامات کا نفاذ حکومت اسلامیہ کے بغیر ممکن نہیں۔ اسی لیے عہد رسالت ہی میں حکومت اسلامیہ کی تشکیل عمل میں لائی گئی۔ اس کا عملی مظاہرہ خلفائے راشدین اور مابعد کے عہد میں بھی ہوا۔

سیاست انسانی زندگی کا ایک اہم شعبہ ہے۔ ایک تہذیب یافتہ انسان اس سے بچ نہیں سکتا۔ دین اور دنیا کی بہت ساری سرفرازیاں اسی کے دم قدم سے وابستہ ہیں۔ قانون اسلامیہ کا مکمل نفاذ بھی اسی کے سبب ہے جو معاشرے سے مظالم کے خاتمے کا ایک کارگر نسخہ ہے۔ اسی لیے اسلام نے حکومت اسلامیہ کے قیام کی کوشش کو تمام مسلمانوں کے لیے فرض کفایہ قرار دیا ہے، بشرطیکہ اس کی استطاعت ہو۔ ساتھ ہی حکومت اسلامیہ کے لیے قدرت حاصل کرنے میں کوشاں رہنا بھی ضروری ہے، جس کی طرف قرآن و حدیث میں واضح طور پر رہنمائی موجود ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ ۝۵۹
(سورۂ نسا)

یعنی اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے حاکم کی، پس اگر تم کسی شئے کے لیے تنازع میں پڑ جاؤ تو اسے اللہ اور رسول پر چھوڑ دو، بشرطیکہ تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

یہ آیت کریمہ حکومت اسلامیہ کے قیام پر بخوبی دلالت کرتی ہے:

کیونکہ اطاعس اولو الامر کا تصور اس وقت تک ناممکن ہے جب تک کہ اولو الامر کا وجود نہ ہو، کیوں کہ بغیر اس کے اطاعت کا جو حکم دیا گیا ہے وہ پورا نہ ہو سکے گا۔ اس سے پتہ چلا کہ کسی امیر اور حاکم کا ہونا ضروری ہے تاکہ اطاعت کا تصور ممکن ہو سکے، لیکن یہ بھی خیال رہے کہ جو بھی امیر یا حاکم مقرر ہو وہ قانون الٰہی کا مکمل پابند ہو۔

اس کے برخلاف آج جب امارت کے ڈھانچے پر غور کریں تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ ''امیر'' ہونے کا دعویٰ تو ہر کوئی کرتا ہے مگر اس کے اندر ایسی ''امارت'' قائم کرنے کی صلاحیت نہیں ہوتی جو قانون الٰہی کے مطابق ہو اور وہ محض دنیاوی حکمراں بن کر رہ جاتا ہے۔ اس طرح وہ سیاسی لیڈر تو کہا جاسکتا ہے لیکن ''امیر'' کہلانے کا حقدار نہیں ہو سکتا۔

اس لیے ضروری ہے کہ ایسے حکمراں کو ہی ''امیر'' تسلیم کیا جائے جس کے اندر ''امارت'' قائم کرنے کی صلاحیت ہو اور جو زندگی کے ہر موڑ پر قانون اسلام کی روشنی میں رہنمائی کرنے کی صلاحیت وبصیرت رکھتا ہو۔

+++

ذکی اللہ مصباحی

جز وقتی کورسیز

Part Time Courses

سر ٹیفکٹ، ڈپلوما، ایڈوانس ڈپلوما، پی جی ڈپلوما

کسی بھی مضمون اورفن سے متعلق مختصر مدت میں جو بنیادی اورابتدائی تعلیم دی جاتی ہے، اسے سرٹیفکٹ کورس کہتے ہیں۔جس میں درمیانہ معیار کی تعلیم دی جائے تو اسے ڈپلوما کورس کہتے ہیں۔ایڈوانس ڈپلوما جس میں تفصیلی تعلیم دی جائے۔پی جی ڈپلوما بی اے کے بعد ہوتا ہے۔یہ دھیان رہے کہ ڈپلوما کے کورسیز عام طور پر جز وقتی (Part Time) ہوتے ہیں جن کی کلاسیں شام یا صبح کے نظام الاوقات میں ہوتی ہیں۔

سر ٹیفکٹ، ڈپلوما، ایڈوانس ڈپلوما اِن لنگویجیز

تینوں لیبل کے کورسیز مختلف زبانوں میں ہوتے ہیں، مثلاً: عربی، اردو، فارسی، انگلش، فرنچ، جرمن، اسپینی، جاپانی، پشتو وغیرہ۔جس میں تبدریج اس زبان کو پڑھایا جاتا ہے۔ایڈوانس ڈپلوما کا معیار وہی ہوتا ہے جو کسی زبان میں ایم اے کے طالب علم کا ہوتا ہے۔ایک خاص بات یہ کہ عربک ڈپلوما کے کورسیز میں تراجم پر زیادہ دھیان دیا جاتا ہے۔

ڈپلوما اِن جرنلزم: اس کورس میں صحافت سے متعلق تعلیم دی جاتی ہے۔یہ ڈپلوما کہیں ایک سال کا ہوتا ہے اور کہیں دو سال کا۔اس کورس کو کرنے کے بعد طالب علم صحافت کی تکنیک سے واقف ہو جاتا ہے اور صحافت میں اپنی جگہ بنا سکتا ہے۔یہ کورس انگلش، اردو اور ہندی میڈیم میں ہوتا ہے۔

ڈپلوما اِن ٹی وی جرنلزم: اس کورس میں ٹی وی کی صحافت سے متعلق اہم اور بنیادی باتوں کی تعلیم دی جاتی ہے۔اس میں مضامین کے طور پر رپورٹنگ، نیوز ریڈنگ، خبروں کی ایڈیٹنگ، ٹی وی سیریل وغیرہ سے متعلق تعلیم دی جاتی ہے۔اس کورس کو کرنے کے بعد ٹی وی چینل میں مناسب کام کرنے کا موقع مل سکتا ہے۔

ڈپلوما اِن ماس میڈیا: اس کورس میں عوامی ترسیل کے جتنے بھی ذرائع ہیں وہ سب شامل ہوتے ہیں یعنی اخبار، ریڈیو، ٹیلی ویژن، سنیما اور انٹرنیٹ وغیرہ۔جس میں ان ذرائع کی خوبیاں، ان کے اثرات اور اس میں کام کرنے کے طریقے سے متعلق

مضامین شامل نصاب ہوتے ہیں۔ اس کورس کو مکمل کرنے کے بعد طالب علم میڈیا سے متعلق کام کرنے کا اہل ہو جاتا ہے۔ یہ کورس انگلش، اردو اور ہندی میڈیم میں ہوتا ہے۔

پی جی ڈپلوما اِن ہیومن رائٹس: اس کورس میں انسانی حقوق سے متعلق علوم کی تعلیم دی جاتی ہے۔ عالمی سطح پر اقوام متحدہ کے ذریعے انسانی حقوق کا مینی فیسٹو (دستور) کو نظر میں رکھ کر دنیا کے مختلف حصوں میں جہاں کہیں بھی انسانی حقوق کی پامالی ہو رہی ہے اس کا جائزہ لیا جاتا ہے۔ ہیومن ریسورس، ہندوستان میں عورتوں کی حیثیت، انسانی حقوق کا تاریخی پس منظر اور عالمی قانونی دفعات اور انسانی حقوق کے مسائل اور اس کے حل کے طریق کار سے بحث ہوتی ہے اور دنیا بھر میں پھیلے انسانی حقوق پر کام کر رہی تنظیموں سے روشناس کرایا جاتا ہے۔ یہ کورس انگلش میڈیم میں ہوتا ہے۔ اس کے ذریعہ رضا کار اداروں (NGO) میں کام کیا جا سکتا ہے۔

ڈپلوما اِن کونفلکٹ اینڈ منیجمنٹ: اس کورس میں سیاسی اور سماجی تنازعات کا مطالعہ کرایا جاتا ہے اور اس کے اصل سبب اور علل کو جاننے کے لائق بنایا جاتا ہے، ساتھ ہی ساتھ چند افراد کے درمیان اختلاف سے لے کر عالمی سطح کے اختلافات کا مطالعہ کرایا جاتا ہے اور امن و آشتی کے لیے لائحہ عمل تیار کرنے کے لائق بنایا جاتا ہے۔ یہ کورس انگلش میڈیم میں ہوتا ہے۔ اس کے ذریعے طالب علم غیر تجارتی اداروں میں تنازعات پر ریسرچ کی حیثیت سے کام کرنے کا اہل ہو جاتا ہے۔

پی جی ڈپلوما اِن این جی او منیجمنٹ: اس کورس میں تنظیموں اور بڑے اداروں کے انتظام و انصرام کے اصول و ضوابط کی تعلیم دی جاتی ہے۔ خاص طور پر تنظیم کیا ہے، اس کی افادیت اور معنویت کو بدلتے حالات کے ساتھ کیسے برقرار رکھی جائے، تنظیموں اور اداروں کی تاریخ، عالمی سطح پر کام کر رہی تنظیموں کی خصوصیات، فنڈ ریزنگ کے نت نئے طریقے، ٹریننگ، پروجیکٹ میکنگ، افراد سازی، سماجی مسائل اور اس کے حل کے لیے جو بھی پیش رفت ہو اسے کامیاب بنانے کا فن اور تکنیک کی تعلیم دی جاتی ہے۔

کسی بھی کورس سے متعلق معلومات حاصل کرنے کا آسان ترین راہ
فون یا ای میل سے رابطہ کریں

Mob:09868981308+08130527525+9312922953

E-mail:muslimfoundation@gmail.com

کیا آپ جانتے ہیں؟

نصرت پروین

- حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت، حضرت آدم علیہ السلام کے چھ ہزار سات سو پچاس (۶۷۵۰) سال بعد ہوئی۔
- حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت مکہ معظّمہ میں اس مکان میں ہوئی جو ''دار محمد بن یوسف'' سے مشہور ہے۔
- حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ملک شام کا پہلا سفر بارہ سال کی عمر میں کیا۔
- قرآن کریم کو سب سے پہلے کتابی شکل میں جمع کروانے کی سعادت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مشورے سے حاصل ہوئی۔
- قرآن کریم میں اعراب لگانے کی سعادت حجاج بن یوسف کو حاصل ہے۔
- قرآن کریم میں ایک صحابی کا ذکر نام کے ساتھ آیا ہے۔ یہ خوش نصیب صحابی حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ ہیں۔
- قرآن کریم میں سات سو بار نماز کی تاکید آئی ہے۔
- ساری عبادتوں میں نماز کا درجہ سب سے افضل ہے۔
- ایمان کی علامت نماز ہے۔
- نماز جنت کی کنجی ہے اور نماز کی کنجی طہارت ہے۔
- مروّجہ اذان شرعی کے کلمات حضرت عبد اللہ بن زید انصاری رضی اللہ عنہ کو خواب میں عطا ہوئے۔
- اذان کی ابتدا سن ایک ہجری میں ہوئی۔
- سب سے پہلے فجر کے وقت اذان دی گئی۔
- اذان کے لیے سب سے پہلے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے مینار تعمیر کرایا تھا۔
- 'معراج العاشقین' خواجہ بندہ نواز گیسو دراز کی تصنیف ہے۔
- 'کشف المحجوب' تصوف کی اہم ترین کتابوں میں سے ایک ہے۔
- ابوالقاسم القشیری کی مشہور تالیف 'رسالۂ قشیریہ' کا شمار اسلامی تصوف کی اولین مستند کتابوں میں ہوتا ہے۔
- 'نفحات الانس' مولوی عبدالرحمن جامی کی تصنیف ہے۔
- 'مثنوی معنوی' کے مصنف مولانا جلال الدین رومی ہیں۔
- سلسلۂ عالیہ قادریہ کو شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ سے نسبت ہے۔
- سلسلۂ چشتیہ کو حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ سے نسبت ہے۔
- سلسلۂ نقشبندیہ کو حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ سے نسبت ہے۔
- سلسلۂ سہروردیہ کو حضرت ابو نجیب سہروردی رحمۃ اللہ

رکن الدین سعیدی

نام کتاب: نغمات الاسرار فی مقامات الابرار (مثنوی)

نتیجۂ فکر: داعی اسلام شیخ ابوسعید شاہ احسان اللہ محمدی

صفحات: ۱۲۸، **قیمت:** ۱۰۰ روپے، **سال اشاعت:** اگست ۲۰۱۱ء، **ناشر:** شاہ صفی اکیڈمی/ خانقاہ عارفیہ، سید سراواں، الہ آباد (یوپی)

زیر تبصرہ کتاب کا سرورق سادہ مگر خوش نما و دیدہ زیب ہے اور الحمدللہ کافی حد تک کتابت کی عام غلطیوں سے محفوظ ہے۔ یہ کتاب ایک گراں قدر پیش لفظ، ایک پر مغز مقدمہ، ایک حمد، ۲۳ رمختلف عناوین، ایک مناجات اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے جبکہ ذیشان احمد مصباحی کا ایک عمدہ حاشیہ بھی شامل ہے۔ وہ لکھتے ہیں: ''اس میں راہ سلوک کے مبتدین و متوسطین اور منتہین سبھی کے لیے حصہ موجود ہے، جو ان کے ذوق وشوق کے مطابق اور فضل الٰہی سے ان کو حاصل ہوتا رہے گا۔''

اس کی تصدیق سرورق پر درج اس شعر سے ہوتی ہے:

ساز ہستی پردۂ الہام ہے
نغمہ تارِ نفس پیغام ہے

اس کتاب میں شیخ طریقت قدس سرہ نے اللہ کی وحدانیت، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان بشریت، ان کی عظمت ورفعت، علوم غیبیہ، اطاعت وفرمانبرداری اور تواضع وانکساری کا تذکرہ اتنی خوش اسلوبی سے فرمایا ہے کہ کوئی بھی باشعور انسان متأثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا ہے۔ ساتھ ہی اولیاء اللہ کی صحبت ونسبت، شیخ کے آداب اور طالب کی ضرورتوں کو بڑے عام فہم اور شیریں ودلنشیں انداز میں بیان فرمایا ہے، بطور نمونہ چند اشعار دیکھئے:

گر ہے توحید خدا تو بس یہی — کچھ نہیں ہے اور سب کچھ ہے وہی
از زمیں تا آسمانِ کبریا — بس خدا ہے بس خدا ہے بس خدا
آ گیا اللہ کی جانب سے نور — جس سے روشن ہوگئی بزم ظہور
یوں محمد میں خدا ہے جلوہ گر — جیسے آئینہ میں آئینہ نگر
جو محمد مصطفی سے پھر گیا — در حقیقت وہ خدا سے پھر گیا

''علم غیب مصطفی'' سے متعلق یہ اشعار ملاحظہ ہوں:

وہ نبی حکم خدا سے سر بسر — غیب کے اسرار سے ہے باخبر
اللہ کیا نرالا معنی ہے — غیب کی باتیں بتانے والا ہے

اس طرح کئی مختلف فیہ مسائل کا حل آپ نے اس مثنوی میں بہت آسانی سے پیش کیا ہے جس کو پڑھنے کے بعد ہر باشعور عالم اس کو تسلیم کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔

اس کتاب کی سہل نگاری کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ جو مسائل تصوف وطریقت عربی، فارسی اور اردو کی کتابوں میں آسانی سے سمجھ میں نہیں آتے ہیں، وہ تمام مسائل داعیٔ اسلام شیخ طریقت شاہ احسان اللہ محمدی صفوی قدس سرہ نے بڑے آسان زبان میں سمجھا دیا ہے۔

پروفیسر مسعود انور علوی، صدر شعبۂ عربی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ لکھتے ہیں:

''زبان وبیان کی صفائی، بندش کی چستی، سلاست وبرجستگی اور سہل ممتنع اپنی مثال آپ ہیں۔ تصوف کے بعض وہ دقیق مسائل بھی جو فلاسفہ و متکلمین اور صوفیہ کے مابین

مابہاالنزاع رہے، ان کو بھی بڑی سلاست وعام فہمی سے بیان کیا ہے۔'' مثلاً یہ اشعار ملاحظہ ہو:

جو تصوف سے مبرا ہوگیا زندقہ میں وہ یقیناً کھوگیا
ہر کہ غافل شد ز مولیٰ یک نفس در حقیقت کافر است و بوالہوس

ماہرین ادب کا ماننا ہے کہ اختصار وایجاز مثنوی کی خوبی ہے۔ اس پیمانے پر اس کو پرکھا جائے تو یقیناً شیخ طریقت کی یہ مثنوی لائق توجہ ہے۔ اب تک کی اردو شاعری میں تصوف کے موضوع پر یہ پہلی مثنوی ہے۔ اس کو پڑھنے کے بعد یہی محسوس ہوتا ہے کہ اس میں مولانا روم، شیخ سعدی، امیر خسرو، خواجہ میر درد اور اصغر گونڈوی جیسے صوفی شعرا کی شاعری سے عرق نچوڑ کر اس مثنوی میں گھول دیا گیا ہے۔ اگر یوں کہا جائے کہ یہ مثنوی مجمع السلوک (تصنیف: شیخ سعد خیرآبادی قدس سرہ) کی منظوم تلخیص ہے تو قطعاً بے جا نہ ہوگا۔ اس میں عربی اور فارسی الفاظ کا برمحل استعمال بھی ماہرین فن کو اپنی جانب متوجہ کرتا ہے، جیسے:

لاشک اللہ بے شک اللہ یاد کن
سینہ را از عشق او آباد کن
مَا رَمَیۡتَ اِذۡ رَمَیۡتَ را ببیں
ہم یَدُ اللہِ فَوۡقَ اَیۡدِیۡھِمۡ چنیں
نیست موجودے بجز ہستی او
نور او در عبدہ و رسولہ

شاعری اللہ کی دی ہوئی ایک عظیم نعمت ہے لیکن اس نعمت کو محفوظ رکھنا ہر ایک کے اختیار میں نہیں۔ یہی سبب ہے کہ شاعری کی دنیا میں کئی جماعتیں نظر آتی ہیں۔

ایک وہ جماعت جو شعر صرف شعر کی حیثیت سے کہا کرتی ہے۔ اسے معانی اور مفاہیم سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا۔ ایک وہ جماعت جو بامعنی شاعری تو کرتی ہے لیکن اس کا تعلق دین سے کچھ نہیں ہوتا بلکہ صرف اور صرف دنیاوی مفادات پیش نظر ہوتے ہیں اور ایک جماعت ایسی ہوتی ہے جو اس خوش بیانی کو آلے کے طور پر استعمال کرتی ہے۔ وہ اپنی شاعری میں دینی اسرار و رموز کا انکشاف کرتی ہے اور اسے ''اَلۡحُبُّ لِلّٰہِ وَ الۡبُغۡضُ لِلّٰہِ۔'' کا حسین گلدستہ بنا کر عوام الناس کے سامنے پیش کرتی ہے جس سے لوگ خوب خوب فیض یاب ہوتے ہیں۔ پھر یہ شاعری صرف شاعری نہیں رہ جاتی بلکہ وہ پند و نصائح، جذب وشوق پیدا کرنے والا ضابطہ اور زندگی کے لیے بہترین دستور العمل بن جاتی ہے۔ چنانچہ ''نغمات الاسرار فی مقامات الابرار'' پڑھ کر صاف واضح ہوتا ہے کہ یہ آخر الذکر جماعت سے تعلق رکھتی ہے اور دین کے اسرار کی معرفت حاصل کرنے والوں کے لیے بہترین نسخہ ہے۔

المختصر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ شیخ کی یہ مثنوی سالکین راہ خداوندی کے لیے خواہ وہ مریدین ہوں یا متوسلین، سب کے لیے اکسیر ہدایت ہے، مثلاً:

مثنوی نغمات ہے وہ مثنوی
جس میں پوشیدہ ہیں اسرار خفی
طالبوں کے واسطے اکسیر ہے
اور مریدوں کے لیے یہ پیر ہے
جو پڑھے گا صدق دل سے بے گماں
وہ سعید ہوجائے گا حق آشنا

☆☆☆

مشمولہ تحریروں میں چند الفاظ کے معانی ومفاہیم

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
لغزش	غلطی، بھول چوک	مجسمہ	پتلا
مفسرین	قرآن کے معنی ومطلب بتانے والے	ازلی	جو ہمیشہ سے ہو
معمور	بھرا ہوا	غیب	پوشیدہ، چھپا ہوا
معمہ	جس کا سمجھنا مشکل ہو	ممتنع	مشکل
غیظ وغضب	غصہ	مستغرق	ڈوبا ہوا
تابعداری	حکم ماننا	تذبذب	شک وشبہ میں ہونا
عظمت	بڑائی، رتبہ	مکلف	ذمہ دار
فسق وفجور	بری بات، غیر شرعی بات	بعثت	نبی کا آنا
یوم عرفہ	نویں ذی الحجہ	نجیب الطرفین	والدین کا سادات ہونا
عضو	بدن کا حصہ	ضلالت	گمراہی
ستر	بدن کا وہ حصہ جس کا چھپانا ضروری ہے	پرستش	عبادت، پوجا
جنس	قسم، ذات	شواہد	ثبوت، گواہ
سلوک	اللہ کی راہ میں چلنا	مجاہدہ	کوشش، تصوف کی اصطلاح
وارث	جائداد کا حصہ دار	چقماق	ایک قسم کا پتھر
وحدۃ الوجود	ایک کو موجود ماننا	طاہر	پاک
ضعف	کمزوری	وجد وکیف	دیوانگی، مستی
مشیت	ارادہ، چاہت	تزکیہ نفس	نفس کی پاکی
خاصان خدا	خدا کے خاص بندے	تصفیہ قلب	دل کی صفائی
انحراف	پھر جانا	سیاہ فام	کالا چہرا والا
زراعت	کھیتی	فرحت	خوشی
مباحات	جائز چیزیں	حریص	لالچی

تصوف وسلوک پر شاہ صفی اکیڈمی

کی ایک نادر اور دستاویزی

پیش کش

نویں صدی ہجری کی جامع شریعت وطریقت شخصیت

حضرت **مخدوم شیخ سعد خیر آبادی** قدس سرہ (م ۹۲۲)

کے قلم سے ساتویں صدی ہجری کی مشہور متن تصوف

الرسالة المكية

کی عالمانہ وعارفانہ شرح

مجمع السلوک

جو شریعت وطریقت کا انسائیکلو پیڈیا اور سالکین وطالبین کے لیے دستور العمل ہے۔

مولانا **ضیاء الرحمن علیمی** کے قلم سے

ترجمہ، تحقیق اور تخریج کا کام تیزی کے ساتھ جاری ہے۔

بہت جلد منظر عام پر آرہی ہے

شاہ صفی اکیڈمی

خانقاہ عالیہ عارفیہ، سید سراواں، الہ آباد، یوپی